صبح نشاط جناب اصغر حسین صاحب نظیر لدھیانوی تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۰ صفحے

کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت غیر مجلد ؎ مجلد للعہ پتہ مزمل حسین خان اینڈ برادرز نیو اسٹریٹ لدھیانہ

سر اقبال مرحوم کے اثر نے پنجاب مین جن شعراء کو پیدا کیا، ان مین ایک ممتاز نام جناب نظیر لدھیانوی کا ہے، وہ نئے دور کی پیداوار ہین، ان کا کلام شاعری کے نئے رجحانات کا نہایت اچھا ترجمان، اس کے محاسن کا حامل اور اسکی خامیون اور بے اعتدالیون سے پاک ہے انھون نے حال کو ماضی سے وابستہ اور ملک قوم اور وطن کو اپنے اپنے درجہ پر رکھا ہے، ان کی شاعری کا دائرہ نہایت وسیع ہے، چنانچہ صبح نشاط مین ہر رنگ و بو کے نہایت پاکیزہ اور ستھرے نمونے موجود ہین، جذبات فطرت بھی ہین معارفِ ملت بھی مناظر قدرت بھی ہین، مذہب و سیاست بھی، پند و موعظت بھی ہے، اور اخلاق و حکمت بھی، حسن کی داستان بھی ہے اور عشق کی زبان بھی، غرض اس مجموعے مین شاعر کے ساز شاعری کا ہر نغمہ موجود ہے، قوم وملت نظیر کی شاعری کا خاص مرکز ہے اسلئے اس مجموعہ مین یہی عنصر غالب ہے، اور اس سے متعلق ہر قسم کی قومی مذہبی اور تاریخی نظمین ہین، پورا مجموعہ خیالات کے اعتبار سے بلند و پاکیزہ اور شعری و ادبی حیثیت سے اسقام شاعری سے پاک ہے چند فارسی نظمین بھی ہین

مسلمانون کی دنیا مسلمانون سید الطاف علی صاحب علوی تقطیع اوسط ضخامت

۴۵ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت معلوم نہین، پتہ نظامی پریس بدایون،

مولوی الطاف علی صاحب بریلوی ان اصحاب مین ہین، جو مسلم ایجوکیشنل کے فرائض منصبی کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی خدمت بھی کرتے رہتے ہین، ان کے قلم سے متعدد مفید کتابین نکل چکی ہین، "مسلمانونکی دنیا" انکا ایک اصلاحی افسانہ ہے اس مین مسلمانون کے عیوب انکے لغو مشاغل اخلاقی کمزوریون اور معاشرتی خرابیون کو دکھایا گیا ہے جس سے انکی اخلاقی تصویر نگاہون کے سامنے آجاتی ہے اس افسانے سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ قومی کام کرنیوالون کی کوششین رخنہ اندازیون کے باوجود بالآخر کامیاب ہوتی ہین (م)

"جلد ۴۸" ماہ شوال المکرم ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۱ء "عدد ۵"

مضامین

شذرات

مجلس نظام اسلامی کی خواہش کے مطابق اسلام کے سیاسی و اقتصادی نظامات پر جو کتاب لکھی جارہی تھی اس کا پہلا حصہ جو سیاسی نظام پر ہے تقریباً مکمل ہوگیا ہے، مولانا اسحاق صاحب ندوی سندیلوی سابق مدرس جامع العلوم کانپور اس کو مرتب کر رہے ہیں، موصوف انگریزی بھی جانتے ہیں اور انھوں نے ان مسائل کا کافی مطالعہ کیا ہے اور ان پر رسائل اور مضامین بھی لکھتے رہتے ہیں،

ایران اس وقت جس سیاسی کشمکش میں ہے اس سے کون واقف نہیں، لیکن یہ بات حیرت سے سنی جائیگی کہ اس کشمکش اور پریشانی کے ساتھ ساتھ علم و فن کی خدمت کرنے والے اس حالت میں بھی اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، اسی ہفتہ ایران سے ایک نئی کتاب درۃ التاج لغرۃ الدباج فارسی میں تصنیف علامہ قطب الدین شیرازی المتوفی سنہ ۷۱۰ھ چھپ کر آئی ہے، دباج اس زمانہ میں گیلان کا ایک امیر تھا جس کے نام پر یہ کتاب لکھی گئی ہے، کتاب قدیم فلسفہ و حکمت کی ساری شاخوں پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، بالفعل اس کے پانچ حصے شائع ہوئے ہیں، سید محمد مشکوۃ نام ایک ایرانی فاضل نے متعدد قلمی نسخوں کی مدد سے اس کی تصحیح کی ہے، اور شروع میں تصنیف اور مصنف پر ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے،

ہر زمانہ میں پیروان مذہب کے اندر اہل عقل اور اہل نقل کے دو گروہ قائم رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں، اہل عقل یہ چاہتے رہے ہیں کہ ہر زمانہ میں جو علوم، خیالات اور افکار پیدا ہوتے رہتے ہیں، دین کو اس زمانہ کے

لوگوں میں قابل قبول بنانے کے لئے اس کی ترجمانی ہر زمانہ میں اس کے علوم و افکار کے مطابق کیجاتی رہے،

بات یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک نہ ایک کوئی ایسا نظری خیال پیدا ہوجاتا ہے جو ہر طرح مشکوک، ناپائدار اور بے دلیل ہونے کے ساتھ اس درجہ یقینی، پائدار اور مدلل معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کا ہر انسان اس کو بے چون و چرا تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے، متکلمین یہ چاہتے اور کرتے رہے ہیں کہ دین کی تعبیر اور اس کے مسائل کی ترجمانی اسی کے مطابق کر دیں تاکہ اس زمانہ کے لوگ ان کو آسانی سے قبول کریں،

ابھی جدید علم کلام کی آفرینش کو نصف صدی بھی نہیں گذری کہ اس پر چار دور گذر گئے، سر سید نے جن کے زمانہ میں سائنس کا نیا نیا زور تھا فطرت اور انکار خرق عادت کے اصول پر اس کو تول کر پیش کیا، ان کی اس ترازو پر جو مسئلہ پورا اترا اس کو مانا، اور جو نہیں آیا وہ کم و بیش کرکے اگر پورا آگیا تو اسی کمی بیشی کے ساتھ اس کو قبول کرلیا، اور اس پر بھی جو نہیں آیا اس کو رد کردیا، مولانا شبلی کے عہد میں جدید تہذیب و تمدن کی گرم بازاری ہوئی تو انکی ساری عمر اسلام اور مسائل اسلام کو تہذیب و تمدن یا سویلزیشن کے اصول پر سمجھنے اور سمجھانے میں گذر گئی، اور اسی لئے وہ ہمیشہ تاریخ اسلام اور تواریخ سلاطین اسلام سے تمدنی مسائل کی تحقیق کرکے اور ان کو موجودہ زمانہ کی تہذیب و تمدن کے نقطۂ نظر سے مستحسن کرکے دکھاتے رہے،

ان کے بعد تیسرا دور سیاسیات کا آیا جس میں عقائد و عبادات کے بجائے اسلامی مسائل میں سے سیاسیات کی بحث اہم ہوگئی اور ان کی تعبیر جمہوریت، دستوریت، نظام شوری، خلافت، امارت و وطنیت اور دین و ملت، اور وطنیت میں تطبیق کی صورت میں نمایاں ہوئی، اس کے بعد ہی بالشوازم نے جنم لیا

توبیت اور ردتی اور مزدوری کے نظریے سامنے آگئے، متکلمین عصر نے ان کی تطبیق کی طرف توجہ فرمائی ہی تھی کہ یورپ کی یہ جنگ سامنے آگئی اور نازی ازم اور فسطزم کی تحریکوں کی قوت ظاہر ہوئی، اب اس زمانہ کے متکلم اسلام ایک تحریک کا نام رکھ کر سارے مسائل کی گتھیوں کو حل کرنے میں مصروف ہیں،

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

لیکن دوسرا فریق جو اہلِ نقل کا ہے اس کے نزدیک اسلام کے حقائق و مسائل اپنی جگہ پر خود مستقل ہیں، ان کی تعبیر و ترجمانی کسی زمانہ میں بھی کسی عارضی مصالحت اور ہنگامی تطبیق کی خاطر ایسی نہیں کرنی چاہئے کہ دین، اطفالِ عقلی کا بازیچہ بن جائے اور اس کی اپنی اصل مستقل حیثیت کے بجائے دوسروں کے ضمیمہ کی ہو جائے، جو دھوپ چھاؤں کی طرح ہر نئی حرکتِ آفتاب کے ساتھ نیا نیا رنگ بدلتا رہے،

اہلِ عقل کے نظریہ کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں دین پر براہِ راست قلبی یقین کے بجائے عقلیات کے سہارے یقینِ ثانوی پیدا کرنے کی کوشش کیجاتی ہے، یہ سہارا جہاں ہٹا عقائد و اعمال کی ساری عمارت نیچے بیٹھ جاتی ہے، اس کی دوسری کمزوری یہ ہے کہ چونکہ اس میں دین کی کوئی مستقل حیثیت قائم نہیں رہتی، بلکہ ہر عصر اور زمانہ میں اس کے نئے نئے قالب بدلتے رہتے ہیں، اور اس کی نئی نئی شکلیں نکلتی رہتی ہیں، اس لئے یہیں سے فرقہ آرائی کا سامان پیدا ہوتا ہے، اور نئے نئے فرقوں کا ظہور ہوتا ہے، اور پھر ہر طرف سے اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا کی لعنت برسنے لگتی ہے،

مقالات
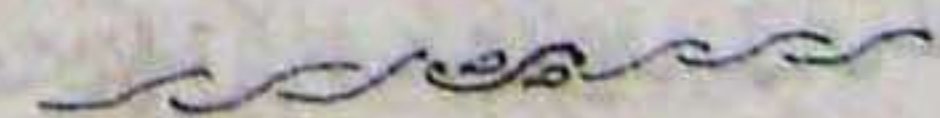
عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم

از

ڈاکٹر محمد حمید اللہ پروفیسر جامعہ عثمانیہ

عرب اور خاصکر مکہ معظمہ کی معاشرتی حالت کا جو قبلِ اسلام پائی جاتی تھی، اگر قریب سے مطالعہ کیا جائے، تو ناگزیر اس نتیجہ پر پہونچنا پڑتا ہے، کہ اس زمانہ کے عربون مین غیر معمولی صلاحیتین پائی جاتی تھین، جب اسلامی تعلیمات نے ان صلاحیتون کو صیقل کیا، تو عربون نے اپنی اپچ اور کارکردگی کی قابلیت سے دنیا کو حیران کر دیا، اور جب "وحدت اور حرکت کے مذہب" یعنی اسلام نے ان کی توانائیون کو ایک مرکز پر جمع کیا، اور ان مین مزید قوت پیدا کر دی تو یہی عرب اس قابل ہوگئے کہ پوری دنیا کو مبارزت دین، اور وقتِ واحد مین اس وقت کی دونون عالمگیر شہنشاہیتون یعنی ایران اور روم (بزنطینہ) سے جنگ کرین،

مین نے اپنے بعض مقالون مین کسی قدر تفصیل سے بتایا ہے، کہ زمانۂ جاہلیت کی عربی خانہ جنگیان عربون کے کردار کو بنانے اور ان مین حیرت انگیز قوتِ برداشت اور دیگر اعلیٰ فوجی صفات پسند قابلیتین پیدا کرنے مین مدد و معاون رہین، جن پر خود نپولین[1] کو رشک تھا، عرب مین معینہ اوقات

---

[1] سینٹ ہیلینا کی یادداشتین (فرانسیسی) جلد (۳) ص۱۸۳،

پر لگنے والے بازارون اور کاروانون کی حفاظت کے لئے بدرقون یا خفارون کا انتظام کچھ اتنا مکمل اور وسیع ہوگیا تھا کہ اوس نے پورے جزیرہ نمائے عرب مین ایک معاشی "وفاق" قائم کردیا تھا جس سے عربون مین وحدت کے خیالات پیدا ہونے لگ گئے تھے، اور اسلام کے تحت ان کی "سیاسی وحدت" کا راستہ صاف ہوگیا تھا، اسی طرح شہری مملکت مکہ کا دستور بھی خاصہ ترقی یافتہ تھا جس سے وہان کے باشندون کو اس بات کی تربیت مل چکی تھی، کہ ایک عالمگیر شہنشاہیت کے نظم ونسق کو چلا سکین[1]،

آج میرے پیش نظر ایک اور مسئلہ ہے، اور وہ یہ کہ زمانۂ جاہلیت کے عربون کی علمی صلاحیتین بھی اتنی خاصی تھین، کہ ہجرت کی ابتدائی صدیون مین عربون نے علوم وفنون کی حیرت انگیز نصلین کاٹین، انہی صلاحیتون کو اجاگر کرنا، ان کی خفتہ قابلیتون کو بیدار کرنا، اور اون کو مفید اغراض مین کام مین لانا، یہ البتہ اسلام کا کارنامہ ہے،

عہد نبوی کے نظام تعلیم کا اس سے بہتر پس منظر کیا ہوگا، کہ اسلام سے پہلے عرب مین علمی حالت جیسی کچھ تھی، اس کا خاکہ پیش کیا جائے،

عرب مین زمانۂ جاہلیت مین تعلیم بدقسمتی سے ہمارے پاس زمانۂ جاہلیت کے تعلیمی معاملات کے متعلق بہت کم معلومات محفوظ ہین، اسکی کچھ تو یہ وجہ ہے، کہ اس زمانے مین وہان لکھنے کا زیادہ رواج نہ تھا، اور کچھ یہ کہ لاکھون کروڑون کتابین ہلاکو خان وغیرہ نے بغداد، قرطبہ اور دیگر مقامات پر ایسے زمانے مین تباہ کردین، جب کہ ابھی فن طباعت سے کتابین چھاپنے کا کام نہین لیا جانے لگا تھا، اس دشواری کے باوجود جو کچھ تھوڑا بہت مواد ہم تک پہونچ سکا ہے، اسکی مدد سے زمانۂ جاہلیت کی تعلیمی حالت کا پتہ چلتا ہے، جس سے ہمین عبرت ہوتی ہے اور اس

[1] شہری مملکت مکہ، مجلہ رسالہ اسلامک کلچر جلد (۱۲) شمارہ ۴۰ میں شائع ہوا ملاحظہ ہو،

قوم کے متعلق رشک ہونے لگتا ہے، جو ان پڑھ ہونے پر اتراتی تھی[1]،

اولاً اون کی زبان کو لیجئے، یہ خیال کیا جاتا ہے، کہ کوئی زبان اپنے لغات، محاورات اور ادبی کمالات مین اس زمانے مین ترقی کرتی ہے، جب اوس کے بولنے والون کا تمدن عروج پر ہو، اور اس سے پہلے اوس زبان کی حالت اتنی پست ہوتی ہے، کہ اوس کو جانورون کی آواز سے کچھ ہی بلند قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس وقت اس زبان مین نہ تو اونچے خیالات ادا کئے جاسکتے ہین، اور نہ معمولی روزمرہ کی ضرورتون کے سوا اس مین کوئی علوم وفنون ملتے ہین، اگر اس معیار پر اسلام سے عین پہلے کی عربی زبان کو جانچا جائے، تو ہم زبان کی نزاکت، لغات کی کثرت، قواعد صرف ونحو کے استحکام، اور خاصے بلند معیار کے نظم کے ذخیرے کے باعث حیرت زدہ ہوجاتے ہین، یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ مستند عربی زبان زمانۂ جاہلیت کی سمجھی جاتی ہے، اسلامی تمدن کے عہد زرین کی زبان کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے، اگر ہم زمانۂ حال کی کوئی زبان مثلاً جرمن، روسی، فرانسیسی یا انگریزی کو لین، تو ان کے دو مؤلف جن مین مثلاً ڈیڑھ ہزار سال کا زمانہ حائل ہو تو ایک ہی زبان کے یہ مؤلف ایک دوسرے کو بالکل نہین سمجھ سکین گے، اس کے برخلاف امرا القیس کی زبان اور قواعد صرف ونحو بالکل وہی ہین جو مثلاً زمانۂ حال کے مصری شعراء شوقی اور حافظ کے ہین، قرآن اور حدیث اس "جاہلی زبان" مین ہین جس پر عربی شہنشاہیت کے تمدن نے کوئی اثر قائم کرنے کا موقع نہین پایا تھا، قرآن اور حدیث زمانۂ جاہلیت کے بدویوں کو بھی اسی سہولت سے سمجھ مین آتے تھے،

[1] خود ایک حدیث مین ہے "ہم ایک اُمّی قوم ہین، لکھنا اور حساب کرنا ہمین نہین آتا" مختصر جامع بیان العلم ص ۳۵

معارف: اصل حدیث صحیح بخاری وغیرہ مین بھی ہے مگر اس مین فخر کا شائبہ نہین، بلکہ قمری مہینون کے اختیار کی وجہ بتائی گئی ہے،

جتنا آج کسی جدید عربی کے متعلم کو، اسی زمانے مین عربی زبان، لغات کی حد تک اتنی وسیع اور
متمول ہو گئی تھی، کہ اس کا مقابلہ زمانۂ حال کی انتہائی ترقی یافتہ مغربی زبانون سے بھی بآسانی
کیا جا سکتا ہے، ان چیزون کی مجھے تفصیل بیان کرنی غیر ضروری ہے، کیونکہ ہر عربی دان اس سے
واقف ہے، میرا منشا صرف اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے، کہ اسلام سے پہلے عربون
کی زبان جس پختگی اور وسعت سے بہرہ ور ہو چکی تھی، وہ یقیناً اس بات کے بغیر ممکن نہین، کہ اس
سے پہلے اس زبان کے بولنے والون مین ادبیات کی بڑی صلاحیتین اور بڑے چرچے رہے ہون،
بے شمار نظمین زمانۂ جاہلیت کی طرف منسوب ہین، خود نثر میں بہت سے خطبون، تقریرون،
ضرب المثلون کہانیون کاہنون، اور حکمون (پنچ) کے فیصلون وغیرہ کی صورت مین ہم تک
ان کی یادگارین پہنچی ہین، ان کے دیکھنے سے ہر ناظر یہ اندازہ کر لے گا، کہ اس زمانہ کے عربون مین
بلاغت، ظرافت، حسنِ ذوق، اور دقتِ نظر کا معیار کتنا بلند تھا،

خود لفظ عرب کے معنی ہین وہ شخص جو اپنا مطلب اچھے طور سے واضح کر سکتا ہو، تمام غیر عرب
عجم کہلاتے ہین، جس کے معنی گونگے کے ہین،

یہانتک تو استنباطات اور قیاس آرائیان ہوتی رہین، خود تاریخی واقعات بھی مفقود نہین ہین،
مدرسون کے سلسلے مین کے یقین آئے گا کہ اس زمانے مین وہان نہ صرف تعلیم گاہین تھین بلکہ
ایسی تعلیم گاہین جن مین لڑکے اور لڑکیان دونون تعلیم پاتی ہون، ؟ بہر حال ابن قتیبہ نے عیون الاخبار
(جلد ۱ ص ۱۱) مین بیان کیا ہے، کہ مکہ کے قریب رہنے والے قبیلہ ہذیل کی ضرب المثل فاحشہ عورت
ظلہ جب بچی تھی، تو ایک مدرسہ جاتی تھی جہان اس کا سب سے دلچسپ مشغلہ یہ تھا کہ دواتون مین
قلم ڈال اور نکال کر کھیلا کرے، اس دلچسپ واقعے سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ قبیلۂ قریش کے
رشتہ دار قبیلۂ ہذیل میں ایسے مدرسے تھے، جو چاہے کتنے ہی ابتدائی نوعیت کے کیون نہ ہون،

ان مین لڑکے اور لڑکیان تعلیم پانے کے لئے جاتی تھین،

بازار عکاظ مین ہر سال جو ادبی چرچا ہوا کرتا تھا اس کے باعث اسے ایک یان عرب کی بڑی
کانگریس" کہنا بے جا نہ ہوگا، عکاظ نے مورخین اور مولفین کو ہمیشہ سے ہی لبھا رکھا ہے، حال مین
جامعہ مصریہ کے پروفیسر احمد امین نے مجلہ کلیۃ الآداب مین اس موضوع پر ایک بہت اچھا مضمون
لکھا ہے، مجھے یہان عکاظ کی علمی سرگرمیون کی تفصیل کی ضرورت نہین یہان اس قدر کافی ہے،
کہ اس ادارے کا صرف نام لے لیا جائے جس نے عربی زبان کو معیاری بنانے کے لئے اتنا
نمایان حصہ لیا ہے،

غیلان بن سلمہ ثقفی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے[1] کہ وہ ہفتہ مین ایک دن علمی جلسہ منعقد کرتا
جس مین نظمین پڑھی جاتین، اور ان پر تنقید ہوتی ہفتے کے باقی دنون مین وہ کسی دن عدل گستری
کا کام انجام دیتا اور کسی دن دوسرے فرائض مین مشغول ہوتا، اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے
کہ جاہلیت مین طائف والون کا علمی ذوق بھی کتنا بلند تھا،

اس زمانے مین مکہ کی علم دوستی اس سے بھی کچھ زیادہ ہی بلند تھی، سبع معلقات مکہ
ہی کے معبد کعبہ مین لٹکائے جاتے رہے، اور اسی اعزاز و امتیاز نے ان سات نظمون کو عربی ادبیات
مین ایک لافانی زندگی عطا کر دی ہے،

ورقہ بن نوفل مکہ کا ایک باشندہ تھا، اوس نے زمانہ جاہلیت مین توریت اور انجیل کو عربی
مین منتقل کیا تھا،

غالباً یہ مکہ والے ہی تھے، جنھون عربی زبان کو سب سے پہلے ایک تحریری زبان کی

---

[1] الازمنہ والامکنہ، مولفہ مرزوقی جلد ۲ صفحہ ۹، تا صفحہ
نیز معارف ابن قتیبہ،

حیثیت عطا کی تھی[1]، غالباً یہی وجہ تھی کہ یہاں کے اجڈ سپاہی بھی لکھے پڑھے ہوا کرتے تھے، اس کی مزید تفصیل آگے آئیگی،

قصہ نویسی، ناول اور ڈرامہ زمانۂ حال میں ادبیات میں بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں، مکہ والوں کو بھی اس کا بڑا ذوق تھا، چنانچہ چاندنی راتوں میں خاندانی اجتماع گاہوں پر یا شہر کے مرکزی دار الندوہ میں یہ لوگ جمع ہوتے، اور پیشہ ور قصہ گو وغیرہ وہاں برجستہ یا سنے ہوئے قصے بیان کر کے دلچسپی کا سامان مہیا کرتے، اس کے کچھ حوالے میرے مضمون "شہری مملکت مکہ" میں ملیں گے،

ادبی ذوق جاہلیت میں صرف عربوں ہی میں نہ تھا، بلکہ عرب میں رہنے والی دوسری قوموں میں بھی اس کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ یہودی سموأل بن عادیا اور دیگر یہودی اور نصرانی شعراء کے دیوان بھی پائے جاتے تھے، مدینہ منورہ کے یہودیوں نے ایک بیت المدراس قائم کر رکھا تھا جو نیم عدالتی اور نیم تعلیمی ادارہ ہوا کرتا تھا، اور اسلام کے آغاز تک اس کا پتہ چلتا ہے، (دیکھئے سیرۃ ابن ہشام میں غزوۂ بنی قینقاع وغیرہ)

زمانۂ جاہلیت میں عربی زبان میں لکھنے پڑھنے کی چیزوں کے لئے بڑی کثرت سے الفاظ ملتے ہیں، چنانچہ صرف قرآن مجید میں ہی حسب ذیل الفاظ کا ذکر ہے :-

رَق اور قرطاس (کاغذ) قلم، نون (دوات) نستنسخ، مرقوم، مسطور، مستطر، مکتوب، تخطہ، تملی، یملل (لکھنے کے معنی میں جو مختلف افعال پائے جاتے ہیں، یہ ان کے صیغے ہیں) کاتب، مداد (سیاہی)، اسفار، زبر، کتب، صحف (کتابوں اور تحریری چیزوں کے معنوں میں) وغیرہ،

[1] فہرست ابن ندیم صفحہ، نیز کتاب الخراج مؤلفہ قدامہ بن جعفر کا ٹکڑا جو آکسفورڈ میں ہے (کہ غلطی سے قدامہ کی طرف منسوب ہے)

غرض ان اور اسی طرح کی مماثل بنیادوں پر علوم و فنون کی وہ بلند عمارتیں بعد میں زمانۂ اسلام کے عربوں نے کھڑی کیں جن پر پورے کرۂ ارض کی علمی دنیا فخر کر سکتی ہے،

قبل ہجرت اسلام

یہ چیز عام طور سے معلوم ہے کہ اسلام کا آغاز اس وقت سے ہوا، جب حضرت محمد صلعم پر چالیس سال کی عمر میں پہلی وحی اتری، اس بات کا کوئی پتہ نہیں چلتا، کہ نو عمری میں آپ نے لکھنے اور پڑھنے کے فن میں حصہ لیا ہو، یا آپ عمر بھر اُمی ہی رہے، اس کے باوجود یہ کس قدر اثر انگیز واقعہ ہے، کہ خدا کے پاس سے آپ کو جو سب سے پہلی وحی آئی، اس میں آپ کو اور آپ کے متبعین کو "اقراء" یعنی پڑھنے کا حکم تھا، اور قلم کی ان الفاظ میں تعریف کی گئی تھی، کہ جملہ انسانی علم اسی سے ہے :-

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے جس نے انسان کو ایک جمے ہوئے قطرۂ خون سے پیدا کیا، پڑھ یہ تیرا بزرگ پروردگار ہی ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی اور انسان کو وہ چیز بتائی، جسے وہ نہیں جانتا تھا"

(قرآن مجید سورہ ۹۶ - آیہ ۱ تا ۵)

ایک حدیث میں رسول کریم صلعم نے بیان فرمایا ہے کہ خدا نے سب سے پہلے قلم ہی کو پیدا کیا،[1]

سہولت کے لئے ہم بھی وہی مشہور تقسیم اختیار کر سکتے ہیں، جو قبل ہجرت و بعد ہجرت کے نام سے رسول کریم صلعم کی زندگی کے متعلق استعمال کی گئی ہے، اور اسی تقسیم سے وہ زمانے بھی

[1] ترمذی ۴۴/۴۶ - ابو داؤد ۳۹/۱۶ - ابن حنبل جلد (۵) صفحہ ۳۱۵، طیالسی ص ۵۷۷،

متعین ہو جاتے ہین، جب آپ کے ہاتھ مین دنیاوی اقتدار تھا یا نہ تھا،

یہ امر نمایان کئے جانے کے قابل ہے کہ قریب قریب وہ تمام آیتین جن مین لکھنے پڑھنے یا علم سیکھنے کا ذکر ہے، وہ مکی آیتین ہین، اس کے برخلاف مدنی آیتون مین کام کرنے اور تعمیل کرنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے، چنانچہ

۱- کیا وہ لوگ جو جانتے ہین اور جو نہین جانتے، برابر ہو سکتے ہین،

(قرآن مجید ۳۹/۹)

۲- تم کو علم سے تھوڑی مقدار دیگئی ہے، (" ۱۷/۸۵)

۳- اللہ سے اس کے بندون مین صرف عالم ہی ڈرتے ہین، (" ۳۵/۲۸)

۴- اور کہہ میرے آقا مجھے علم مین زیادتی عطا کر، (" ۲۰/۱۱۴)

۵- تمھیں وہ چیز سکھائی گئی، جو نہ تم جانتے تھے، اور نہ تمھارے آباؤ اجداد،

(قرآن مجید ۶/۹۲)

۶- اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائین، اور سمندر سات دیگر سمندرون کیساتھ سیاہی بن جائے تو بھی خدا کے کلمات ختم نہ ہو سکین، (قرآن مجید ۳۱/۲۷)

۷- قسم ہے پہاڑ کی، اور قسم ہے ایک کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے ایک جھلی پر جو پھیلائی گئی ہو،

(قرآن مجید ۵۲/۱تا۳)

۸- قسم ہے دوات کی اور قلم کی اور اس چیز کی جو تم لکھتے ہو، (" ۶۸/۱)

۹- اگر ہم نے تجھ پر ایک واقعی تحریری چیز کاغذ پر لکھی ہوئی بھیجی ہوتی (قرآن ۶/۷)

۱۰- اگر تمھین معلوم نہ ہو، تو یاد رکھنے والون سے پوچھ لو، (" ۱۶/۴۳)

یہ تمام مکی آیتین ہین،

کسی قوم مین کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا تعلیم کے سوا کسی اور غرض کے لئے نہیں ہوتا، چنانچہ ہمین حیرت نہ ہو کہ ایک حدیث مین رسول کریم صلعم نے فرمایا ہے کہ مین ایک معلم بنا کر بھیجا گیا ہون[1]، اسکی تائید قرآنی آیتون سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ فرمایا:

۱- (ابراہیم اور اسماعیل نے دعا کی): اے ہمارے آقا ان کے پاس انھی مین کا ایک رسول بھیج، جو انھین تیری آیتیں سنائے اور انھین کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اور ان کا تزکیہ کرے، تو ہی طاقتور اور عقلمند ہے، (قرآن مجید ۲/۱۲۹)

۲- وہی ہے جس نے اُمیون مین انھی مین کا ایک رسول بھیجا تاکہ انھین اسکی آیتیں سنائے، انکا تزکیہ کرے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اگرچہ اس سے پہلے وہ خاص گمراہی مین مبتلا تھے، (ایضاً ۶۲/۲)

۳- بیشک خدا نے ایمان والون پر مہربانی کی جب اوس نے ان کے پاس انھی مین کا ایک رسول بھیجا، جو انھیں اوس کی آیتین سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھین کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ اس سے پہلے وہ فاش گمراہی مین مبتلا تھے، (ایضاً ۳/۱۶۴)

حقیقت مین تبلیغ اور تعلیم ایک ہی چیز ہین، خاص کر ایسے شخص کے لئے جو مذہب وسیاست کو بالکل الگ اور ایک دوسرے سے آزاد چیزین نہ سمجھتا ہو، اور جس کا مطمح نظر یہ ہو کہ

"اے ہمارے پروردگار ہمین اس دنیا مین بھی بھلائی عطا کر اور آخرت مین بھی اور ہمین آگ کے عذاب سے بچا، (قرآن مجید ۲/۲۰۱)

بیعت عقبہ ثانیہ جیسے ابتدائی زمانہ مین جو ہجرت سے بھی دو سال پہلے منعقد ہوئی تھی کوئی ایک درجن مدینہ والون نے اسلام قبول کیا تھا، تو ان کی خواہش پر رسول کریم صلعم نے ان کے

[1] ابن عبد البر کی مختصر جامع بیان العلم ص ۲۵ معارف ابن ماجہ باب فضل العلماء

ساتھ مکہ سے ایک تربیت یافتہ معلم[1] روانہ کر دیا تھا جو انہیں قرآن مجید کی تعلیم دیسکے، اور دینیات اسلام سے واقف کراسکے، بے شبہ اس ابتدائی زمانہ مین تعلیم سے مراد صرف مبادی دین اور عبادت کے طریقون کی تعلیم ہی ہو سکتی تھی،

زمانہ قبل ہجرت کی سب سے اہم چیز جو اس سلسلے مین بیان کیجا سکتی ہے، یہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے کاتبوں کو مقرر کر رکھا تھا جن کا کام یہ تھا کہ جیسے جیسے وحی نازل ہوتی جائے، اس کو لکھ لین اور اسکی نقلین کرین، چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لانے لگے، تو انھیں قرآن مجید کی چند سورتین اپنی بہن کے گھر میں لکھی ہوئی ملی تھین، اور بظاہر ان کی بہن بھی پڑھنا جانتی تھین،

اس سلسلے مین سب سے آخر میں حضرت موسیٰؑ کے قصے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہون جو قرآن شریف کی ایک مکی سورۃ (کہف) مین مذکور ہے، کہ کس طرح وہ طلب علم کے کیلئے گھر سے نکلے، سفر کی صعوبتین برداشت کین، اور دل دہلانے والے تجربے حاصل کئے، اس قصے کا ماحصل یہ ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم ہوجائے، ہر چیز نہین جان سکتا، اور یہ کہ علم مین زیادتی کی خواہش ہو تو بیرونی ممالک کا سفر ناگزیر ہے،[2]

بعد ہجرت

ہمارے پاس بعد ہجرت زمانے کے متعلق جو مواد ہے، اس کو سنہ وار ترتیب کی جگہ فن وار مرتب کرنا زیادہ سہولت بخش ہوگا، مثلاً مدرسون کا انتظام امتحانات، اقامت خانے، ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانے کا بندوبست، اجنبی زبانون کی تعلیم، نصاب تعلیم، عورتون کی تعلیم، صوبہ جات مین تعلیمی انتظام، صوبہ جات مین دورہ اور تنقیح کرنے والے افسر وغیرہ،

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۸۹ [2] طلب علم کے لیے سفر کے سلسلے مین دیکھئے مقدمہ دارمی ص ۳۶

ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہین کہ رسول کریم صلعم نے ہجرت سے بھی پہلے ایک معلم کو مدینہ منورہ روانہ کیا تھا جس کے کارنامے تاریخ نے محفوظ رکھے ہین، جب ہجرت کے بعد رسول کریم صلعم خود مدینہ منورہ پہنچے تو بیشمار اور بیحد اہم جنگی اور سیاسی مصروفیتون کے باوجود آپ اس کے لئے وقت نکال لیا کرتے تھے، کہ مدینہ منورہ سے ناخواندگی کو دور کرنے کے کام کی شخصی طور سے نگرانی کرسکین، چنانچہ اس سلسلے مین آپ نے سعید بن العاص رضؓ کا تقرر کیا تھا، کہ لوگون کو لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم دین، یہ بہت خوشنویس بھی تھے،[1] رسول کریم صلعم کو خواندگی سے اتنی دلچسپی تھی، کہ ہجرت کے ڈیڑھ ہی سال بعد جب ساٹھ ستر مکہ والے جنگ بدر مین گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے تو آپ نے ان لوگون کا جو مالدار نہ تھے، انکی رہائی کے لئے یہ فدیہ مقرر کیا تھا کہ مدینے کے دس دس بچون کو لکھنا سکھائین،[2] حضرت عبادہ ابن الصامت رضؓ کہتے ہین، کہ رسول کریم صلعم نے مجھے صفہ مین اس غرض سے مامور کیا تھا کہ لوگون کو لکھنے کی اور قرآن مجید کی تعلیم دون،[3]

صُفّہ سے مراد مکان کا ملحق حصہ ہوتا ہے، یہ مسجد نبوی مین ایک احاطہ تھا جو اس غرض کے لئے مختص کر دیا گیا تھا، کہ باہر سے تعلیم کے لئے آنے والون بلکہ خود مقامی بے گھرے طالب علمون کے لئے دار الاقامے کا بھی کام دے، اور مدرسہ کا بھی، اس اقامتی درس گاہ مین لکھنے پڑھنے کے علاوہ فقہ کی تعلیم دیجاتی تھی، قرآن مجید کی سورتین زبانی یاد کرائی جاتی تھین، فن تجوید سکھایا جاتا تھا، دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست تھا، جس کی نگرانی خود رسول کریم صلعم شخصی طور سے فرمایا کرتے تھے، اور وہان رہنے والون کی غذا وغیرہ کا بھی بندوبست کیا کرتے تھے، یہ طلبہ اپنی فرصت کے گھنٹون مین طلب روزگار مین بھی مصروف ہوا کرتے تھے،[4]

[1] استیعاب ابن عبدالبر ص ۲۹۳ نیز نظام الحکومۃ النبویہ مؤلفہ کتانی ۱/۴۸ بحوالہ ابوداؤد [2] ابن سعد ۲/۱ ص ۱۴ سہیلی ۲/۹۴، مسند ابن حنبل ۱/۲۴۷ کتانی کتاب مذکور ۱/۴۸ [3] کتانی ۱/۴۸ بحوالہ ابوداؤد وغیرہ (معارف - ابوداؤد، کتاب البیوع باب کسب المعلم) [4] بخاری باب سریۂ بیر معونہ،

درس گاہ صفہ مین نہ صرف مقیم طلبہ کی تعلیم کا انتظام تھا، بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ تھے جن کے مدینے مین گھر تھے، اور وہ صرف درس کے لئے وہان حاضر ہوا کرتے تھے، وقتاً فوقتاً عام طور سے درس گاہ مین شریک ہونے والون کی بھی کمی نہ تھی، مقیم طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت ان کی تعداد ستر بھی تھی،[۱]

مقامی طلبہ کے علاوہ دور دراز کے قبائل سے بھی طلبہ آتے، اور اپنا ضروری نصاب تکمیل کرکے اپنے وطنون کو واپس ہوجاتے،[۲]

رسول کریم صلعم اکثر اپنے کسی تربیت یافتہ صحابی کو قبائلی وفود کے ساتھ ان کے مسکنون کو روانہ کردیتے تاکہ وہ اس علاقے مین دینیات کی تعلیم کا بندوبست کرین، جس کے بعد وہ مدینہ واپس آجاتے،[۳]

ہجرت کے ابتدائی سالون مین معلوم ہوتا ہے، کہ رسول کریم صلعم کی یہ مستقل سیاست تھی کہ جب مدینہ کے باہر کے لوگ مسلمان ہوتے، تو ان کو حکم دیا جاتا کہ ترکِ وطن کرکے مرکزِ اسلام کے قریب آبسین[۴] جہان بعض وقت ان کو اپنی نوآبادی بسانے کے لئے سرکاری زمینین بھی دیجاتین،[۵]

ترکِ وطن کے اس حکم مین فوجی، سیاسی اور تمدنی جو اغراض پوشیدہ تھے، وہ ظاہر ہین، ابن سعد نے[۶] بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے ایک قبیلے مین جو نیا نیا مسلمان ہوا تھا، ایک معلم روانہ

[۱] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۱۳۷ [۲] بخاری باب رحمۃ البہائم نیز تفسیر طبری جلد (۱۱) ص ۵ نیز تفسیر خازن مین سورہ (۹) آیۃ ۱۲۲ کی تفسیر جہان قرآن مجید مین حکم ہے، کہ پوری قوم جہاد پر نہ جائے، بلکہ چند لوگ تعلیم حاصل کرکے رہنمائی کا فریضہ انجام دین، نیز ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۲۰ تا ۲۱ [۳] کتانی کی نظام الحکومۃ النبویۃ جلد ا ص ۴۳ و مابعد [۴] دیکھئے مفتاح کنوز السنۃ لفظ ہجرہ [۵] ابو داؤد جلد ۲ ص ۳۲ وغیرہ [۶] طبقات ابن سعد باب الوفود،

کیا، معلوم ہوا کہ ہجرت کے متعلق جو عام ہدایتین تھین، اسکی انہون نے لفظی تعمیل کی، اور کہنا شروع کیا کہ جو ہجرت نہ کرے وہ مسلمان ہی نہین سمجھا جائے گا، قبیلے والے پریشان ہوئے، مگر وہ سمجھدار تھے، انہون نے اپنا ایک وفد مدینہ روانہ کیا تاکہ براہ راست جناب رسول اکرم صلعم سے معلوم کرین، کہ ہجرت کے حکم کا کیا منشا ہے، اور یہ عرض کرین کہ انھین اپنا وطن چھوڑنے مین کس قدر عظیم معاشی نقصان ہے، رسول کریم صلعم نے انکی مشکلات کو سُن کر انھین اجازت دی کہ وہ اپنے وطن ہی مین رہین، اور ان کے ساتھ وہی سلوک ملحوظ رکھا جائے گا، جو اسلامی سرزمین مین ہجرت کرانے والون کے ساتھ رکھا جاتا تھا،

مدنی زندگی مین رسول کریم صلعم کی یہ مستقل سیاست تھی، کہ قبائل مین تعلیم و تربیت کے لئے معلم روانہ کرین، بیر معونہ کے مشہور واقعے مین ستر قاریانِ قرآن بھیجے گئے تھے، جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھین نجد کے ایک آباد علاقے مین اور کثیر قبائل مین کام کرنا تھا،

قبائلی نمائندون کا تعلیم کی غرض سے مدینہ آنا بھی کوئی شاذ و نادر واقعہ نہ تھا،[۱] اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، ایسے لوگون کے قیام و طعام اور تعلیم و تربیت کی رسول کریم صلعم خود شخصی طور سے نگرانی فرماتے تھے، اور یہ لوگ عموماً صفہ مین ٹھہرائے جاتے تھے،

مدینہ منورہ مین صفہ واحد درس گاہ نہ تھی، بلکہ یہان کم از کم نو مسجدین خود عہد نبوی مین تھین،[۲] اور اس مین کوئی شبہہ نہین ہے، کہ ہر مسجد اپنے آس پاس کے محلہ والون کے لئے درس گاہ کا بھی کام دیتی تھی، خاص کر بچے وہان پڑھنے آیا کرتے تھے، قبا مدینہ منورہ کے جنوب مین مسجد نبوی سے کوئی دو ڈھائی میل پر واقع ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ وقتاً فوقتاً رسول کریم صلعم وہان تشریف لیجاتے اور وہان کی مسجد کے مدرسے کی شخصی طور سے نگرانی فرماتے[۳] بعض احادیث مین رسول کریم صلعم کے

[۱] اسکی تفصیل اوپر آچکی ہے [۲] ابو داؤد کتاب المراسیل نیز عینی شرح بخاری جلد ۲ ص ۴۶۹
[۳] ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۹،

عام حکم ان لوگون کے متعلق محفوظ ہین، جو اپنے محلّے کی مسجد کے مدرسے مین تعلیم پاتے تھے،[1] آنحضرت صلعم نے یہ بھی احکام صادر کئے تھے، کہ لوگ اپنے ہمسایون سے تعلیم حاصل کیا کرین،[2]

ایک دلچسپ واقعہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رض نے بیان کیا ہے،[3] کہ ایک دن جب رسول کریم صلعم مسجد نبوی مین داخل ہوئے، تو دیکھا کہ وہان دو قسم کے لوگ موجود ہین، کچھ لوگ نوافل اور خدا کی عبادت مین مشغول تھے، اور کچھ لوگ فقہ کی تعلیم و تعلم مین منہمک، آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ دونون ہی لوگ اچھا کام کر رہے ہین، البتہ ایک کا کام زیادہ اچھا ہے، جو لوگ خدا سے کچھ مانگ رہے ہین، ان کے متعلق خدا کی مرضی ہے، کہ چاہے تو دے چاہے تو نہ دے، البتہ دوسری قسم کے لوگ وہ ہین جو علم حاصل کر رہے ہین، اور جہالت کو دور کر رہے ہین، سچ تو یہ ہے کہ خود مین بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہون —— یہ کہتے ہوے آپ نے اس حلقے مین اپنے لئے جگہ بنائی جہان درس ہو رہا تھا،

یہان اس مشہور اور اکثر حوالہ دیجانے والی حدیث کا ذکر کیا جا سکتا ہے، کہ ایک عالم شیطان پر ایک ہزار عابدون سے زیادہ سخت گذرتا ہے،[4]

رسول کریم صلعم خود بھی شخصی طور سے اعلیٰ تعلیم دیا کرتے تھے، حضرت عمر رض وغیرہ بڑے صحابہ ان درسون مین شریک رہا کرتے تھے، جہان قرآن وغیرہ کی تعلیم دیجاتی تھی، آنحضرت صلعم مسجد نبوی کے حلقہائے درس کا اکثر معائنہ کیا کرتے تھے، اگر وہان کوئی بے عنوانی نظر آتی، تو فوراً تدارک

---

[1] ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۱۲۳ [2] کتانی کی نظام الحکومۃ النبویہ جلد ۱ ص ۴۱ (معارف صحیح بخاری املاء نبوی بیان حضرت عمر رض)
[3] ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۲۵ نیز دیگر کتب حدیث [4] سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان "عالم و فقیہ" بحوالہ بخاری و دیلمی، نیز ترمذی، باب العلم،

فرمایا کرتے، چنانچہ ترمذی مین ہے،[1] کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی مین رسول کریم صلعم نے قضا و قدر کے متعلق کچھ مباحثہ ہوتے سنا، آپ اپنے حجرے سے باہر آئے مارے غصے کے آپ کا چہرہ تمتما رہا تھا، اور راوی کے الفاظ مین ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ انار کا رس آپ کے رخسارون اور پیشانی پر نچوڑ دیا گیا ہو، آپ نے اس موضوع پر بحث مباحثے سے منع کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ بہت سی گذشتہ اُمتین اسی مسئلہ مین الجھ کر گمراہ ہو گئی تھین،

یہ رسول کریم صلعم کی ایک طے شدہ سیاست تھی، کہ صرف وہی لوگ مسجدون مین امام بنین جو قرآن مجید اور سنت کے زیادہ سے زیادہ ماہر ہون، جیسا کہ صحیح مسلم مین بیان کیا گیا ہے، یہ کوششین بیکار نہ گئین، اور خواندگی مین اس قدر تیزی سے ترقی ہوئی، کہ ہجرت کو چند ہی دن گذرے تھے، کہ قرآن مجید نے حکم دیا کہ ہر وہ تجارتی معاملہ جس مین رقم اودھار ہو، صرف تحریری طور سے انجام پائے، اور ایسی دستاویز پر کم از کم دو اشخاص کی گواہی لیجایا کرے، اس کا منشا، قرآن کے الفاظ مین یہ تھا کہ اس طرح کی تحریری گواہی خدا کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے، اور شہادت کے اغراض کے لئے زیادہ مستحکم وسیلہ ہے، اور شبہات پیدا ہونے کی صورت مین رفع شک کا بہترین ذریعہ ہے"[2]

مدینہ مین خواندگی کی کثرت ہو جانے کے باعث اس حکم سے کوئی دشواری پیش نہین آئی، اور ظاہر ہے کہ ملک مین خواندگی کی وسعت کے بغیر ایسا حکم نہین دیا جا سکتا تھا، گو اس مین شک نہین کہ پیشہ ور کاتبون کا بھی اس زمانے مین پتہ چلتا ہے،[3] ہجرت کے بعد سے ہی سیاسی معاہدات، سرکاری خط و کتابت، ہر فوجی مہم مین جانے والے

---

[1] شمائل ترمذی بر موقع [2] قرآن مجید ۲/۲۸۲،
[3] کتانی کی نظام الحکومۃ النبویہ ۱/۲۷۵ تا ،،،

رضا کارون کے نامون کی فہرستین[1] مختلف مقامات مثلاً مکہ، نجد، خیبر وغیرہ مین خفیہ نامہ نگار جو عموماً تحریری طور سے آنحضرت صلعم کو اپنے مقام کے حالات سے اطلاع دیا کرتے تھے،[2] نیز مردم شماری[3] اور اسی طرح کی بہت سی چیزین اس بات مین ممد و معاون ہوئین، کہ خواندگی روز بروز بڑھتی ہی جائے، تاریخ نے رسول کریم صلعم کے کوئی ڈھائی تین سو خطوط محفوظ رکھے ہین،[4] صحیح تعداد اس سے بہت زیادہ ہونی چاہئے، کیونکہ آنحضرت صلعم کی حکومت دس لاکھ مربع میل کے علاقے پر چلتی تھی؛ اور دس سال تک حکمرانی کے فرائض آپ کو انجام دینے پڑے تھے،

عرب مین خطوط پر مہر کرنے کا رواج سب سے پہلے جناب رسالت صلعم ہی سے شروع ہوا،[5] آپ کو خط کی صفائی اور وضاحت کا جس قدر لحاظ رہتا تھا، اس کا اندازہ ان چند احادیث سے ایک حد تک ہوسکتا ہے، جن مین آپ نے ارشاد فرمایا ہے، کہ کاغذ کو موڑنے سے پہلے اسکی سیاہی کو ریگ ڈالکر خشک کرلو،[6] یا یہ کہ حرف "س" کے تینوں شوشے برابر دیا کرو اور اس کو بغیر شوشون کے نہ لکھا کرو؛[7] غالباً یہ حکم اسلئے تھا کہ شوشے نہ دینا احتیاط پسندی کے فقدان اور سستی پر دلالت کرتا ہی، یا یہ کہ لکھتے ہوئے اگر کچھ رکنا پڑے تو کاتب کو چاہئے، کہ قلم اپنے کان پر رکھ لے، کیونکہ اس سے لکھانے والے کی زیادہ آسانی سے یاددہانی ہوجاتی ہے،[8]

---

[1] کتانی کتاب مذکور جلد ا صفحہ ۲۲۱ بحوالہ صحیح مسلم [2] کتانی ۳۶۲ تا ۶۳ (معارف خفیہ نامہ نگار کی اصطلاح صحیح نہین ممکن ہے کسی نے اتفاقی کوئی اطلاع بھیجدی ہو) [3] صحیح بخاری ۵۶/۱۸۱ کتانی کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ مسلم شماری کی فہرستون سے پندرہ سو اندراجات شہر مدینہ مین ہونے معلوم ہوئے تھے، جو ظاہر ہے کہ ابتداے ہجرت کا زمانہ ہوگا [4] اس پر جدید ترین تالیف الوثائق السیاسیہ کے نام سے مین نے شائع کی ہے [5] کتانی ۱/۱۷۱ فتوح البلدان مؤلفہ بلاذری باب خاتم، [6] کتانی ۱/۲۵، [7] ایضاً ۱/۱۲۵ و مابعد [8] ایضاً ۱/۱۲۵ و مابعد، (معارف: اوپر کی تینون باتین صحیح حدیثون مین نہین)

عہد نبوی ہی مین یک فنی ذوق یا تخصص ترقی کرگیا تھا اور خود جناب رسالت مآب صلعم اوسکی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے، چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے، کہ جس کو قرآن سیکھنا ہو، وہ فلان صحابی کے پاس جائے جس کو تجوید یا تقسیم ترکہ کا حساب سیکھنا ہو، وہ فلان کے پاس جائے وغیرہ؛[1]

متعدد حدیثون مین معلمون کو معاوضہ قبول کرنے کی ممانعت کی گئی ہے،[2] عبادہ بن صامت رض کی روایت ہے، کہ وہ درسگاہ صفہ مین قرآن اور فن تحریر کی تعلیم دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شاگرد نے انھین ایک کمان نذر کی، مگر رسول کریم صلعم نے انھین اوس کے قبول کرنے سے روک دیا،[3]

ایک مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے جناب رسالت مآب صلعم کو مترجمین کی بھی ضرورت ہوا کرتی تھی، جو غیر زبانین جانتے ہون، چنانچہ حضرت زید بن ثابت رض جو دربار رسالت کے میرمنشی کہے جاسکتے ہین، فارسی، حبشی، عبرانی اور رومی (یونانی) جانتے تھے،[4] آنحضرت صلعم نے ایک مرتبہ ان کو حکم دیا تھا، کہ وہ عبرانی خط لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھ لین، اور چند ہفتون مین وہ اس مین طاق ہوگئے تھے،[5] چنانچہ یہودیون کو اگر کوئی خط بھیجا جاتا یا ان کے پاس سے کوئی خط آتا، تو حضرت زید بن ثابت رض اس کو لکھ یا پڑھ لیا کرتے تھے،

نصاب کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر پوری صحت کے ساتھ بیان کرنا دشواری سے خالی نہین؛ ہمارے پاس جو مختصر و محدود مواد ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا، معینہ کتب کو پڑھانے کی جگہ معینہ معلم کے پاس لوگ جاتے، اور وہ جو پڑھا سکتا، اس سے پڑھتے، بہرحال اتنا

---

[1] طبقات ابن سعد بر موقع [2] سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان "علما" بحوالہ طبرانی نیز بخاری ۳۴/۱۶ ابوداؤد ۲۲/۳۴

[3] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۲۹، اس کا ذکر شبلی کی سیرۃ النبی طباعت دوم، جلد ۲ صفحہ ۳۰۳ مین بھی ہے،

[4] کتانی ۱/۲۰۲ بحوالہ العقد الفرید مؤلفہ ابن عبد ربہ وغیرہ

[5] ایضاً ۱/۲۰۳ بحوالہ البخاری وغیرہ،

معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن وسنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت صلعم نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی[1]، پیراکی[2]، تقسیم ترکہ کی ریاضی[3]، مبادی طب[4]، علم ہیئت[5]، علم انساب[6] اور علم تجوید[7] قرآن کی تعلیم دیجایا کرے، ایک حدیث میں یہ بھی حکم ہے کہ استاذ کی عزت کیجائے[8]،

مکہ کے باشندون کو زبان کی صفائی کا بیحد لحاظ رہتا تھا، اور وہ یہ بھی چاہتے تھے، کہ ان کے بچے صحرا کی آزاد زندگی مین پرورش پائین، اور مکہ کی زنگارنگ کی آبادی مین حل کر متاثر نہ ہونے پائین، اسی لئے وہ اپنے نوزائیدہ بچون کو مختلف قبائل مین بھیج دیتے تھے، جہان وہ کئی سال رہ کر والدین کے پاس واپس آتے، خود رسول کریم صلعم کو بھی اس سے سابقہ رہا تھا، اور آئندہ زندگی مین آپ اُسے یاد کیا کرتے تھے، کہتے ہین، کہ معززین مکہ مین اوس کا رواج آج بھی چلا آتا ہے،

تربیت دلانے کا ایک دوسرا طریقہ مکہ والون نے یہ اختیار کیا تھا کہ تجارت کے لئے جو کاروان جایا کرتے تھے، اس مین کسی معمر کے ساتھ نوعمرون کو بھیجدیا کرین، چونکہ مکہ کی معاشی زندگی کا دارومدار بہت بڑی حد تک تجارت پر تھا، اس لئے اس طریقے کی اہمیت مکہ والون کیلئے جیسی کچھ بھی ظاہر ہے، سفر کے تجارب کا فائدہ ماسوا تھا،

اس زمانے مین نوعمرون اور معمرون کی تعلیمی ضرورتون کے فرق کو محسوس کر لیا گیا تھا، چنانچہ احادیث مین واضح الفاظ مین بتایا گیا ہے، کہ بچون کو کن چیزون کی تعلیم دینی چاہئیے، نشانہ اندازی

---

۱ جمع الجوامع مؤلفہ سیوطی تحت عنوان "علموا" بحوالہ ابن مندہ، ابونعیم و دیلمی ۲ ایضاً تحت عنوان "علموا" بحوالہ ابونعیم و ابن مندہ، ۳ ایضاً تحت عنوان "تعلموا" بحوالہ طبرانی و دارقطنی وغیرہ نیز ابن عبد البر کی کتاب العلم ص، ابوداؤد ۲/۱ ابن ماجہ ۲۳/۱ ۴ سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان "تعلمن" بحوالہ مالک ۵ ایضاً تحت عنوان "تعلموا" بحوالہ ابن سنی ۶ ایضاً تحت عنوان "تعلموا من انسابکم" بحوالہ مالک و ترمذی و بیہقی و طبری ۷ ایضاً تحت عنوان "تعلموا من امر النجوم" بحوالہ دیلمی ۸ جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان "تعلموا" بحوالہ طبرانی،

اور پیراکی خاص طور سے بچپن ہی سے سکھائی جاتی تھی، اسی طرح نماز پڑھنے کا طریقہ بھی بچپن ہی سے بچون کو سکھایا جاتا تھا، اور سات برس کی عمر کے بعد بچے نماز نہ پڑھیں تو انھیں سزا دینے کا حکم تھا[1]،

عورتون کے ساتھ علٰحدہ سلوک کیا جاتا تھا، چنانچہ آنحضرت صلعم نے ہفتہ مین ایک دن مقرر کر دیا تھا، جب آپ عورتون کے خصوصی مجمع مین تشریف لیجاتے، ان کو تعلیم دیتے، اور ان کے سوالات کا جواب دیتے[2]، آنحضرت صلعم نے عورتون کے لئے چرخہ کاتنا سب سے اچھا مشغلہ قرار دیا تھا[3]، ایک حدیث مین یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک خاتون سے خواہش کی کہ وہ آپ کی ایک بیوی کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دین[4]، آنحضرت صلعم کی زوجہ مطہرہ بی بی عائشہؓ کو فقہ اور دیگر اسلامی علوم نیز ادب، شاعری اور طب مین بڑا دخل تھا[5]، یہان تک کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلعم نے فرمایا، کہ آدھا علم عائشہؓ سے حاصل کرو[6]، قرآن نے بھی رسول کریم صلعم کی بیویوں پر ایک خصوصی فریضہ عائد کیا ہے، کہ وہ دوسرون کو تعلیم دیا کرین[7]، ایک حدیث مین بیان ہوا ہے، کہ جس کسی کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اُسے تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے، اور اس کی تربیت کرے، اور اچھی تربیت کرے، پھر اوس کو آزاد کر کے باضابطہ نکاح کرلے، تو اوسے دوگنا ثواب ملے گا[8]،

رفتہ رفتہ مملکت اسلامیہ جو ابتداءً ایک شہر مدینہ کے کچھ حصہ پر مشتمل تھی، پھیلتی گئی، اور نہ صرف خانہ بدوش بدوی، بلکہ شہرون مین مستقل طور سے سکونت کرنے والے عربوں نے بھی بڑی تعداد مین

---

۱ جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان "علموا الصبی" بحوالہ ابن حنبل و ترمذی و بغوی ۲ صحیح بخاری کتاب العلم ۳ جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان "علموا" (نعم لهو المومنة فی بیتها الغزل) بحوالہ ابونعیم و ابن مندہ، ۴ کتانی ۴۹/۱ تا ۵۵ بحوالہ قاضی عیاض و ابوداؤد ۵ سیرۃ النبی مؤلفہ شبلی طبع دوم ۴۴/۲ ۶ احادیث فضل عائشہ کسی کتاب حدیث مین دیکھی جاسکتی ہین ۷ قرآن مجید ۳۴/۳۳ ۸ ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۳۶

اسلام قبول کرنا شروع کیا، ایک نئے دین کے قبول کرنے کا ناگزیر نتیجہ تھا، کہ ایک وسیع
تعلیماتی نظام قائم ہو، جو دس لاکھ مربع میل کے رقبے کی ضرورتون کو پورا کر سکے، عہد نبوی کے
اختتام پر حکومت اسلامی باوجود اس قدر وسیع رقبے پر مشتمل ہونے کے دینیات کی تعلیم کی ضرورتون
سے اچھی طرح عہدہ برآ ہونے لگی تھی، کچھ تو مرکز مدینہ سے بڑے بڑے مقامات پر تربیت یافتہ
معلم بھیج دیئے جاتے تھے، اور کچھ صوبہ دار گورنرون کے فرائض منصبی مین یہ امر صراحت کے ساتھ
شامل کر دیا جاتا تھا، کہ وہ اپنے ماتحت علاقے کی تعلیمی ضرورتون کا مناسب انتظام کرین[1] یمن
کے گورنر عمرو ابن حزم کے نام جو طویل تقرر نامہ یا ہدایت نامہ جناب رسالت مآب صلعم نے لکھا تھا، اسے
تاریخ نے محفوظ رکھا ہے[2] اس مین بھی گورنر کو ہدایت ہے، کہ لوگون کے لئے قرآن، حدیث،
فقہ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست کرین، اسی دستاویز مین ایک دلچسپ جملہ ہے، جس سے
معلوم ہوتا ہے، کہ مذہبی اور دنیاوی تعلیم مین کسطرح فرق کرنا چاہئے؟ اور وہ جملہ یہ ہے کہ "لوگون کو اس بات کی
بڑی ترغیب دو[3] کہ وہ دینیات کی تعلیم حاصل کرین" گورنرون کو جس تعلیم کے رائج کرنے کا حکم تھا، اسمین دینیاتی
ضرورتون مین سے وضو، جمعہ کا غسل، نماز باجماعت روزہ اور حج کعبہ کے احکام شامل تھے،

صوبہ دار درس گاہون کا معیار بلند کرنے کے لئے رسول کریم صلعم نے صوبہ یمن مین ایک
صدر ناظر تعلیمات مقرر کیا تھا جس کا کام یہ تھا، کہ مختلف اضلاع و تعلقات مین ہمیشہ دورہ کرتا
رہے، اور وہان کی تعلیم اور تعلیم گاہون کی نگرانی کرے[4] کوئی تعجب نہیں جو اور صوبہ جات مین

---

[1] کتانی ۱/۴۳ و مابعد [2] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۶۱ تا صفحہ ۹۶۲، تاریخ طبری صفحہ ۱۷۲۷، صفحہ ۲۹، کتانی ۱/۲۴۸ تا ۲۴۹ وغیرہا
[3] جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان "علموا" (علموا ولا تعنفوا فان العلم خیر من العنف —— علموا و یسروا ولا تعسروا) بحوالہ ابن سعد و بیہقی و ابن حنبل،
[4] تاریخ طبری صفحہ ۱۸۵۲ تا ۵۳، ۱۹۸۳، (احوال سنہ ۱۱ھ)

بھی اس طرح کے افسر مامور کئے گئے ہون،

آخر مین تعلیم کی نظری حیثیت کے متعلق قرآن و حدیث کے بعض احکام کی جانب اشارہ
کرنا بے محل نہ ہوگا، چنانچہ قرآن مجید مین ہم دیکھتے ہین، کہ شروع سے آخر تک بار بار اور
صاف و صریح الفاظ مین اندھی تقلید کو برا ٹھہرایا گیا ہے[1] اور اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہر
شخص خود اپنے طور پر غور و فکر کرے، اور کسی رسم و رواج کی پیروی محض آبائی و موروثی ہونے کی
بنا پر نہ کرے[2] کسی اور مذہبی کتاب مین فطرت کے مطالعہ پر اتنا زور نہین دیا گیا ہوگا، جتنا قرآن
مجید مین ہے، کہ سورج، چاند، سمندر کی موجین، دن اور رات، چمکتے ستارے، دمکتی فجر، پودے
اور حیوانات —— تمام ہی قوانین فطرت کے تابع بنائے گئے ہین، جن سے ان کے خالق
کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے، قرآن مجید کے مطابق علم لامتناہی ہے[3] اور بڑے سے بڑے عالم
کا علم بھی تھوڑا ہی ہوتا ہے، یہ کہ سارا عالم انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اور انسان
جو زمین مین خدا کا نائب ہے، اپنے برتاؤ اور کردار کے مطابق جانچا جائے گا، اسی طرح قرآن
مجید مین اس کا بھی بار بار ذکر ہے، کہ حق و صداقت کی پیروی کیجانی چاہئے، اور موروثی
عقائد و رواجات سے متاثر نہین ہونا چاہئے،

احادیث مین بھی علماء کی بڑی تعریف کی گئی ہے، اور ان کو سب سے بہتر انسان

---

[1] ابن عبد البر کی کتاب العلم صفحہ ۱۶۷ باب ذم التقلید بحوالہ آیت "اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله" [2] طلب علم کی فضیلت کے لئے دیکھو ابو داؤد، ۲۴/۳۱، مقدمہ ابن ماجہ صفحہ ۱۷، مقدمہ دارمی صفحہ ۳۱ وغیرہ، ترمذی ۳۹/۲ و ۱۹۹،
[3] قرآن مجید ۱۸/۶۵ قرآن مجید مین قصہ موسیٰ و خضر کا مقصد بھی طلب علم کی فضیلت اور علم انسانی کی قلت کو نمایان کرنا ہے،

قرار دیا گیا ہے[51] حتی کہ ان کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے[52] آخر مین ایک حدیث کا ذکر کیا جاسکتا ہے، جس کا اکثر حوالہ آتا ہے، اگرچہ ماہرین اس کو اس کے موجودہ الفاظ میں صحیح حدیث نہین سمجھتے، لیکن اسکا مفہوم قرآن و حدیث کی عام تعلیمی پالیسی سے بالکل متفق ہے، یعنی "علم حاصل کرو اگرچہ چین ہی مین کیون نہ ہو، کیونکہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت کا فریضہ ہے"[53]

ایک حدیث میں یہ دعا ماثور ہے، کہ "اے خدا مین تجھ سے علم نافع اور رزقِ طیب اور عملِ مقبول کی استدعا کرتا ہون"[54] اور اسی پر یہ تبصرہ ختم کیا جاتا ہے،

اللھم انی اسئلک علمًا نافعًا ورزقًا طیبًا وعملًا متقبلًا، آمین!

معارف: جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جو عالم بھی ہین، اور یورپ کی متعدد زبانون سے واقف بھی ہین، اور خاص طور سے عہد نبوی کے مختلف نظامات کے معلومات جن کا خاص فن ہے، وہ انگریزی مین مسلسل عنوانات پر اسلامک کلچر میں مضامین لکھ رہے ہین، اب انھون نے انہی اس سلسلہ کے چند مضامین کو حذف و اضافہ کے ساتھ دوبارہ اردو مین مرتب کر کے ہمارے پاس بھیجا ہے، ان مضامین مین یہ بات خاص لحاظ کے قابل ہے کہ یہ یورپی طرزِ خیال و ذہنیت کو سامنے رکھکر لکھے گئے ہین، جو اردو کے قالب مین آنیکے بعد بھی اپنے فرنگی طرزِ تخیل کی غمازی کر رہے ہین،

"س"

---

[51] من یرد اللہ بہ خیرًا یفقہہ فی الدین (بخاری ۳/۱۰، ۹۶/۱۰، ترمذی ۳۹/۱ مقدمہ ابن ماجہ ف ۱۷ مقدمہ دارمی ف ۲۳، ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۱۶ تا ۱۷، حدیث خیر الناس العلماء والمتعلمون (مقدمہ دارمی ف ۲۵ و ف ۳۱) ابو داؤد ۲۴/۱ و ۳۲

[52] العلماء ورثة الانبیاء (بخاری ۱/۱۶، ترمذی ۳۹/۲، ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۲۱)

[53] اطلبوا العلم ولو بالصین فان طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة (ابن عبد البر کی کتاب العلم، بیہقی کی شعب الایمان، ابن عدی کی الکامل اور سیوطی کی جمع الجوامع مین یہ حدیث ہے)

[54] حدیث نبوی بحوالہ کتاب العلم مؤلفہ ابن عبد البر ص ۴۲،

تیموری شاہزادون کا علمی ذوق

از

سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے رفیق دار المصنفین،

(۲)

داراشکوہ علمی حیثیت سے تیموری شہزادون کا گل سرسبد داراشکوہ تھا، وہ ایک باکمال مصنف، شاعر اور خطاط تھا، اس کو شروع مین تصوف اور بعد مین ہندو مذہب سے گہرا شغف پیدا ہو گیا تھا، نثر میں اسکی تصانیف ان ہی دو موضوعون پر ہین، ان تصانیف سے داراشکوہ کے جن مذہبی اعتقادات اور صوفیانہ خیالات کا اظہار ہوتا ہے، ان پر بحث کرکے ہم ناظرین کو اس کی جانب سے بدظن کرنا نہین چاہتے، بلکہ صرف اوسکے علمی کمالات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرین گے[1] مگر اس کی تصانیف کی تاریخ وار ترتیب سے ناظرین کو خود اندازہ ہو جائے گا، کہ وہ کس طرح رفتہ رفتہ صحیح و خالص اسلام سے ہٹ کر عامیانہ تصوف کی طرف مائل ہو گیا،

سفینة الاولیاء دارا کی یہ پہلی تصنیف ہے کہ جو اوس نے اپنی عمر کے پچیسوین سال ۱۰۴۹ھ

---

[1] داراشکوہ کی ایک تصنیف مجمع البحرین کو پروفیسر محفوظ الحق (پریزیڈنسی کالج کلکتہ) نے اڈٹ کیا ہے اور اوس کے دیباچہ مین دارا کی تصنیفات اور تراجم پر بڑی محنت و کاوش سے ایک انگریزی مقالہ لکھا ہے، جناب سید نجیب اشرف صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین نے بھی مقدمۂ عالمگیر میں دارا کی تصانیف پر بحث کی ہے،

مین لکھی، اس کتاب کے شروع مین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہے، اور پھر خلفائے راشدین حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے ائمہ کے مناقب ہین، اس کے بعد اولیاء اللہ کے احوال ہین، جن مین قادریہ نقشبندیہ، چشتیہ، کبرویہ اور سہروردیہ کے سلاسل کا ذکر خاص طور پر ہے، ایک باب مین متفرق سلسلوں کے صوفیاے کرام کے بھی کچھ حالات ہین، آخر مین ازواج مطہرات رض اور بنات طاہرات آنحضرت صلعم کے بعد ان خواتین کا ذکر ہے، جنھون نے راہ سلوک مین کمال حاصل کیا، یہ کتاب مختلف مطبعون مین چھپ گئی ہے، ۱۸۵۳ء مطبع مدرسہ آگرہ سے ایک انگریز مسٹر بیل کے اہتمام مین جو نسخہ شائع ہوا تھا، اوس کے صفحات ۲۰۴ ہین،

داراشکوہ نفحات الانس، کشف المحجوب، تذکرۃ الاولیاء، اور طبقات سلطانی وغیرہ جیسے تذکرون سے مطمئن نہ تھا، کیونکہ اس کے خیال مین ان کتابون مین صوفیائے کرام کے حالات سلسلہ بہ سلسلہ علیحدہ علیحدہ منقول نہ تھے، اور ان کی پیدائش اور وفات کے سال کی تفصیل بھی ان مین اطمینان بخش نہ تھی، اسی لئے ان خامیون کو سفینۃ الاولیاء لکھ کر پورا کیا[1] تمام تذکرہ نویسون نے اس کو ایک مستند تذکرہ قرار دیا ہے، حتی کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار مین اسکا حوالہ جا بجا دیا ہے، سفینۃ الاولیاء کی تحریر کے وقت داراشکوہ حنفی المشرب تھا، اور تصوف مین سلسلۂ قادریہ سے متوسل تھا، مگر آگے چل کے اس کے عقائد مین اسلامی تصوف کی شان بالکل مفقود ہو گئی،

اس کتاب کے ادب و انشاء کے متعلق دارا خود لکھتا ہے:

"داگرچہ عبارت این کتاب راست براست است و در عبارت آرائی مقید نشدہ

[1] سفینۃ الاولیاء مطبع مدرسہ آگرہ ۱۸۵۳ء، دیباچہ

دفارسی سادہ عام فہم نوشتہ لیکن بعضے جا اقتدا بعبارت نفحات الانس قطب الاولیاء، قدوۃ الاتقیاء، نیر آسمان عرفان خورشید فلک ایقان حضرت مولائی نور امامت والدین عبدالرحمن جامی قدس سرہٗ انشاے کہ بکمال فصاحت و متانت دارد و ایشان را استاد خودمی داند کردہ و زبان روز مرہ خود را نیز ترک ساختہ"[1]

۲۔ **سکینۃ الاولیاء**: دارا نے یہ کتاب اپنی عمر کے اٹھائیسوین سال ۱۰۵۲ھ مین لکھی، اس مین اوس نے اپنے پیر لسان اللہ ملا شاہ محمد یا محمد شاہ بدخشانی اور پیر کے مرشد میان میر (یا ملاجیو) کے حالات، ملفوظات، کرامات اور ان کے خاندان اور خلفاء کے احوال کی تفصیلات لکھی ہین، اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ بتائی ہے:-

سکینۃ الاولیاء، ..... اور کتابون کی طرح اولیاء حق کے معتقدون اور مخلصوں کے لئے بطور یادگار رہے، اور معلوم ہو جائے کہ کوئی زمانہ اس عالی گروہ سے خالی نہین رہا، اور نیز یہ کہ اس زمانے مین بھی جب کہ ۱۰۵۲ھ ہجری ہے، اس قسم کے لوگ ہین، اور تھے"[2]

دارا نے راہ سلوک کی منزلین جس طرح طے کین، اوس کا حال اس طرح لکھتا ہے:

"جمعرات کے روز چوبیس سال کی عمر مین خواب مین فرشتہ نے مجھے آواز دی اور چار مرتبہ کہا "تجھے اللہ تعالیٰ ایسی چیز عنایت کرے گا، جو روے زمین کے کسی بادشاہ کو نصیب نہین ہوئی" نیند سے بیدار ہو کر مین نے اپنے دل مین سوچا کہ اس قسم کی سعادت البتہ عرفان ہو گی، اور بے شک اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ دولت بخش دے گا"

[1] سفینۃ الاولیاء ص ۴، ۳ [2] مجھکو سکینۃ الاولیاء کا فارسی نسخہ نہین مل سکا، اس کا اردو ترجمہ جو فضل الدین ملک چنن الدین تاج الدین ککے زئی تاجران کتب قومی منزل نقشبندیہ کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا ہے، میرے پیش نظر ہے،

ان اللہ غفور رحیم، میں ہمیشہ اس دولتِ عظمیٰ کا طالب رہا، یہان تک کہ ۲۹ ربماہ ذی الحج ۱۰۴۹ھ کو ایک دوستِ خدا کی صحبت مین پہنچا، وہ مجھ پر نہایت مہربان ہوا، جو بات دوسرے لوگون کو ایک مہینہ مین حاصل ہوتی تھی، وہ مجھے پہلی رات مین مل گئی، اور جو کچھ دوسرے ایک سال مین حاصل کرتے تھے، مجھے ایک مہینہ مین حاصل ہوگئی، جہان اُن کوئی طالب سالہا سال کے مجاہدون اور ریاضتون سے پہونچا، مین محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بغیر ریاضت یک بارگی پہنچ گیا، دونون جہان کی محبت میرے دل سے اُٹھ گئی، اور فضل ورحمت کے دروازے میرے دل پر کھل گئے، اور جو مین چاہتا تھا، وہ مجھے مل گیا" (ص۵)

گو ہم دارا کے صوفیانہ عقائد سے بحث کرنا نہین چاہتے، لیکن یہ کہنا نامناسب معلوم نہین ہوتا، کہ دارا نے جس عجلت اور تیزی سے راہِ سلوک کی منزلین طے کین، وہ ہندوستان کے صوفیاے کرام مین کسی اور نے نہین کین، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ رحمۃ نے بیس سال تک اپنے مرشد کے پاس رہکر ریاضت کی، اور برسون سمرقند، بغداد، ہمدان، تبریز، استرآباد، سبزوار، حصار، بلخ اور ہندوستان وغیرہ کی بادیہ پیمائی کرنے کے بعد راہِ سلوک کی منزلین طے کرسکے، حضرت بختیار کاکیؒ بیس برس تک رات کو مطلق نہ سوئے، حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نے اتنے مجاہدے کئے، کہ ایک بار حضرت معین الدین چشتیؒ ان کے حجرے مین تشریف لائے، تو ضعف سے ان کی تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوسکے، حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے ۳۰ سال تک جنگلون مین عبادت کی، اس لئے دارا کا یہ لکھنا کہ اوس نے یکبارگی "سب کچھ حاصل کرلیا" مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے،

دارا کو اپنے مرشد کے مرشد ملا جیو سے والہانہ عقیدت تھی، اور وہ ایک قصبہ "باری"

مین عزلت نشین تھے، اسلئے دارا ان کو باری تعالیٰ کہتا تھا، (حسنات العارفین ص۳۱) ملاجیو نے خواب مین اوسکو مشاہدہ اور مراقبہ کرنا سکھایا، اور خواب ہی مین اپنے سینہ کی امانت اس کے سینے مین منتقل کی، جس کے بعد داراشکوہ کو سلوک مین فتح پر فتح حاصل ہوئی، (ص۴۳)

ملاجیو کو بھی اپنے مرید کے مرید سے غیر معمولی شیفتگی تھی، وہ اپنے "یارون" اور "مریدون" سے کہا کرتے تھے، کہ جس طرح مین دارا کے حال کی طرف متوجہ رہتا ہون، تم بھی رہا کرو، اگر تم اس کی طرف متوجہ نہ ہوگے، تو خدا سے پھر جاؤگے" (ص۴۲) (العیاذ باللہ) وہ اپنے مریدون کو داراشکوہ ہی کی صورت کا مراقبہ کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے، (ص۴۲)

لسان اللہ شاہ محمد یعنی دارا کے اصلی مرشد کو بھی دارا سے بڑی محبت تھی، انھون نے اسکی شان مین ایک غزل بھی کہی تھی، لیکن یہ اس قدر غلط اور بے معنی یا اتنی مسخ چھپی ہے، کہ بالکل مہمل ہوگئی ہے، ایک شعر جس کے کچھ معنی سمجھ مین آتے ہین، یہ ہے:-

اے بے خبر ز عالمِ رازِ نہانِ دل   روزے شود کہ تو بشوی ہمزبانِ دل

ملا شاہ محمد کو داراشکوہ سے یہ امید تھی، کہ وہ ہندوستان مین طریقۂ قادری کو رواج دیگا، لیکن یہ امید برنہ آئی، (ص۱۳۸)

داراشکوہ نے اپنے مرشد کے خوارق وکرامات کی بہت سی تفصیلات لکھی ہین، اور انہی کے ذریعہ سے ان کی روحانی عظمت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، آخر مین اس کے مرشد کی ہمشیرہ بی بی جمال خاتون کے احوال وکرامات بھی درج ہین، اور اس کے بعد ملا جیو کے خلفا کا ذکر ہے، دارا نے ان خلفا کے اشعار کے انتخاب بھی اس کتاب مین دئے ہین کتاب مین جابجا کشف المحجوب، نفحات الانس، غنیۃ الطالبین، تفسیر عرائس، تفسیر قشیری، فصل الخطاب، بحر الحقائق، تفسیر حسینی، صحیح مسلم، مشکوٰۃ، معجم البلدان وغیرہ کے حوالے ہین جن سے اندازہ ہوتا

کہ یہ کتابین دارا کے زیر مطالعہ رہین،

۳- **رسالہ حق نما**:- میری نظر سے نہیں گذرا،

۴- **حسنات العارفین یا شطحیات**:- دارا اس کتاب کی تمہید مین لکھتا ہے، کہ "وجد و ذوق کی حالت مین اس کے منہ سے ایسے کلمات بلند حقائق" نکل جاتے تھے، جن کو سن کر پست فطرت دون ہمتا اور زاہد خشک لوگون نے اپنی کوتاہ بینی سے اس پر تکفیر کے فتاوی صادر کئے، اس تکفیر سے بچنے کے لئے اس نے مذکورہ بالا کتاب تالیف کی، جس مین نہ صرف صوفیاے کرام اور علماے عظام بلکہ رسول اللہ صلعم اور خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے ایسے کلمات اور اقوال نقل کئے ہین جو اس کے خیال مین شطحیات ہین، ان اقوال سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے، کہ توحید و معرفت کے منازل و مدارج مین ایک ایسا مقام آتا ہے، جب ایک سالک شریعت و طریقت، کفر و ایمان، خیر و شر اور عبد و معبود سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے، اور بے خودی مین اسکی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہین، جو بظاہر مذہب و ایمان کے منافی ہوتے ہین، لیکن وہ قابلِ مواخذہ نہیں ہوتے، چنانچہ دارا یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے، کہ راہِ سلوک مین ایسے ہی مقام پر پہنچ کر اس کی زبان سے شطحیات صادر ہوئین، اور اسی مقام کے وجد و ذوق مین وہ صوم و صلوۃ سے مستغنی ہوگیا،

دارا نے جتنے کلمات و اقوال نقل کئے ہین، ان پر مفصل بحث کرکے یہ دکھایا جاسکتا ہے کہ ان کلمات کی نسبت غیر معتبر مشکوک اور مجہول الروایت ہے، اور بعض اقوال کی تشریح و توضیح صحت سے دور ہے، مگر اس مضمون مین ہم اس قسم کی بحث سے قصداً پرہیز کرنا چاہتے ہین، اس مین شک نہین کہ بعض شطحیات ایسی ضرور ہین جو بعض صوفیاے کرام کی باتون سے غیر اختیاری طور پر نکلیں لیکن وہ خود کسی حال مین بھی دارا کی طرح ان کے جواز کے قائل نہ تھے، کیونکہ اسلامی تصوف شریعت کے دائرہ سے الگ نہین ہے، اور شطحیات علماء و صوفیہ مین سے کسی نے بھی روا نہین رکھا ہے، چنانچہ

ہندوستان کے اکابر مشائخ اور صوفیہ کا عمل اسی پر رہا ہے، ان کے افعال و اقوال اس کے شاہد ہین،

۵- **مجمع البحرین**:- یہ کتاب دارا نے اپنی عمر کے ۴۲ وین سال مین لکھی، اس مین اسلام اور ہندو مذہب کو ایک ہی سمندر کے دو دھارے بتایا ہے، اور ان دونون کو ملانے کی کوشش کی ہے، اور یہ بھی بتایا ہے کہ اسلامی تصوف اور فلسفۂ ویدانت مین لفظی اختلافات کے سوا کوئی اور فرق نہین، توحید کے شیدائی ان دونون مین سے جس کی بھی تقلید کرین حقانیت کی منزل تک پہونچ سکتے ہین، اس کتاب کی اشاعت پر دارا کو مرتد اور ملحد قرار دیا گیا، اور آگے چل کر اس کے یہی عقائد اسکے زوال اور موت کا سبب بنے، یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی اور آخری تصنیف ہے،[۱]

دارا کی تصانیف یہی پانچ ہین، اس کے بعد اوس نے زیادہ تر ہندو مذہب کی کتابون کے ترجمے کئے یا کرائے، ان ترجمون کی تمہید مین دارا نے اپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ان سے پتہ چلتا ہے، کہ وہ حنفی المشرب اور سلسلۂ قادریہ کا پیرو ہونے کے بجائے رفتہ رفتہ ہندو ہونے کی کوشش کر رہا تھا، یا کم از کم وہ اپنے عقائد کو ایسے سانچے مین ڈھال رہا تھا، کہ ہندو اس کی طرف مائل ہو کر تخت و تاج کے حصول مین اوس کے معاون اور مددگار ہون،

۱- **سرّ اکبر**:- یہ اوپنشد کے پچاس ابواب کا فارسی ترجمہ ہے، جو داراشکوہ نے ۱۰۶۷ھ مین بنارس کے پنڈتون کی مدد سے کیا، اس کتاب مین بسم اللہ کے بجائے گنیش جی کی تصویر دی ہے، اور دیباچہ مین لکھا ہے، کہ اصل قرآن مجید یہی کتاب ہے، (نعوذ باللہ) اسکی وجہ تصنیف کے متعلق وہ خود رقمطراز ہے، (نقل کفر کفر نہ باشد)

جب یہ فقیر بے اندوہ محمد داراشکوہ ۱۰۵۰ھ ہجری مین کشمیر جنت نظیر گیا تھا، تو مین نے

---

[۱] پروفیسر محفوظ الحق کلکتہ نے مجمع البحرین کو بہت ہی دقتِ نظر کے ساتھ اڈٹ کرکے اس کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع کیا ہے،

عنایتِ الٰہی اور اوس کے فضلِ نامتناہی سے کاملون کے کامل، عارفون کے خلاصہ، استادون کے استاد، پیشواؤن کے پیشوا، اور حقائق آگاہ کے معتقد یعنی حضرت ملاشاہ سلمہ اللہ سے سیادت اور ارادت حاصل کی، مجھکو ہر گروہ کے عارف کو دیکھنے اور توحید کے متعلق اعلیٰ باتین سننے کا ذوق تھا، اور تصوف کی بہت سی کتابین نظر سے گذر چکی تھین، اور کچھ رسالے بھی تصنیف کئے تھے، لیکن طلبِ توحید مین جو ایک بحرِ بیکران ہے، اور بھی تشنگی ہر وقت بڑھتی گئی، دقیق مسائل ذہن مین آتے تھے، جن کا حل بجز کلام الٰہی اور استاذ ذات نامتناہی کے ممکن نہ تھا، چونکہ قرآن مجید و عظیم اور فرقان کریم کی اکثر باتین رمز کی ہین، اور آج کل اُن کے جاننے والے کم ہین، اس لئے مین نے چاہا کہ تمام آسمانی کتابون کو پڑھون، کیونکہ کلام الٰہی اپنی تفسیر آپ ہے یعنی جو بات مجمل ہو گی دوسری کتابون مین مفصل پائی جائیگی اس تفصیل سے اجمال معلوم ہو جائیگا، مین نے توریت، انجیل، زبور اور دوسری کتابین پڑھین لیکن انمین توحید کا بیان مجمل اور اشارات مین تھا، اور ان آسان ترجمون سے جن کو اہلِ غرض نے کیا تھا مطلب معلوم نہیں ہوتا تھا، اس بات کی فکر مین ہوا کہ ہندوستان وحدت عیان مین توحید کی گفتگو کیون بہت زیادہ ہے، اور قدیم ہند کے ظاہری اور باطنی علماء کو وحدت سے انکار اور موحدون پر کوئی اعتراض نہیں، بلکہ ان پر اعتبار ہے، برخلاف اسکے جہلائے وقت خداشناسون اور موحدون کے قتل، کفر اور انکار مین مشغول ہین، اور توحید کی تمام باتون کو جو کلام پاک اور صحیح احادیث نبوی سے ظاہر ہین، رد کرتے ہین، وہ خدا کے راستے کے راہزن ہین، ان باتون کی تحقیق کے بعد معلوم ہوا، کہ اس قوم قدیم (یعنی ہندوؤن) کے درمیان تمام آسمانی کتابون سے پہلے چار آسمانی کتابین تھین، رگ بید، سام بید، اتھربن بید...... اور اس وقت کے سب سے بڑے نبی برہما

یعنی آدم صفی اللہ پر یہ تمام احکام نازل ہوئے، اور یہ باتین ان کتابون سے ظاہر ہین...... اور محض توحید کے اشغال اس مین درج ہین، جس کا نام اپنکھت ہے، اس زمانہ کے انبیاء نے ان کو علٰحدہ کر کے ان پر شرح و بسط کے ساتھ تفسیرین لکھی ہین، اور ہمیشہ ان کو بہترین عبادت سمجھکر پڑھتے ہین، اس خاکسار کی نظر چونکہ وحدت ذات کی اصل پر تھی، اور نہ کہ عربی، سریانی، عراقی اور سنسکرت زبان پر تھی، اس لئے چاہا کہ اُن اپنکھت کو جو کہ توحید کا خزانہ ہے، اور جس کے جاننے والے اس قوم مین بھی کم رہ گئے ہین فارسی زبان مین بغیر کسی کمی اور بیشی اور نفسانی غرض کے لفظ بلفظ بالمقابل ترجمہ کر کے سمجھون کہ یہ جماعت اوس کو اہلِ اسلام سے پوشیدہ اور پنہان رکھتی ہے، اس کا کیا بھید ہے؟ شہر بنارس جو اس قوم کا دار العلم ہے، اور جہان پنڈت اور سنیاسی جو کہ سرآمد وقت اور بید اور اپنکھت کے جاننے والے تھے، ...... اس خاکسار سے تعلق رکھتا تھا......

۱۰۶۷ھ ہجری مین بے غرضی کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا، اور توحید کے متعلق ہر قسم کی مشکل اور اعلیٰ باتین جن کا مین طلب گار تھا، لیکن حل نہین پاتا تھا، اس قدیم کتاب کے ذریعہ سے معلوم ہوئین، جو بلاشک و شبہہ پہلی آسمانی کتاب ہے، اور بحرِ توحید کا سرچشمہ ہے، اور **قدیم** ہے، اور **قرآن مجید کی آیت بلکہ تفسیر** ہے، اور صراحۃً ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ آیت بعینہٖ اس کتاب آسمانی سرچشمۂ بحرِ توحید اور قدیم کے حق مین ہے، انہ لقرآن کریم فی کتٰب مکنون لا یمسہ الا المطہرون تنزیل من رب العالمین" یعنی قرآن کریم ایسی کتاب مین ہے، جو پوشیدہ ہے، اور اس کو نہین چھوتے ہین، مگر وہ جو کہ پاک ہین، وہ نازل ہوئی ہے، خداوند عالم کی طرف سے متعین طور سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت توریت اور انجیل کے حق مین نہیں، لفظ تنزیل

سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوحِ محفوظ کے حق مین ہے، چونکہ اپنکھت کہ وہ ایک مخفی راز ہے، اصل کتاب کی ہے، اور قرآن مجید کی آیتین بعینہ اس مین پائی جاتی ہین، اس تحقیق کہ چھپی ہوئی کتاب یہی کتاب قدیم ہے، اس فقیر کو جس نے بے جانی ہوئی چیز کو جان لیا، اور بے سمجھی ہوئی چیز کو سمجھ لیا، اس ترجمہ کے کرنے مین اس کے سوا کوئی مطلب اور مقصد نہ تھا، کہ وہ اور اوس کی اولاد اوس کے دوست اور حق کے طلب گار فائدہ اٹھائین"

مولانا شبلی مرحوم نے سر اکبر کے نسخون کو ۱۹۰۶ء مین ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس منعقدہ بنارس کی علمی نمایش گاہ مین دیکھا تھا، اس کتاب کے دیباچہ کو پڑھکر ان پر جو اثرات طاری ہوئے، ان کا اظہار اس طرح کرتے ہین، کہ" عالمگیر نے داراشکوہ کے مقابلہ کا جب قصد کیا تو اس کا یہ سبب ظاہر کیا کہ داراشکوہ بد عقیدہ اور بد دین ہے، اس لئے اگر وہ ہندوستان کا فرمانروا ہوا، تو ملک مین بد دینی پھیل جائے گی، عام مورخون کا خیال ہے، کہ یہ محض ایک فریب تھا، نہ داراشکوہ بے دین تھا اور نہ عالمگیر کی مخالفت کا یہ سبب تھا، دلون کا حال خدا کو معلوم، لیکن اس کتاب کے دیباچہ سے صاف ظاہر ہے کہ داراشکوہ بالکل ہندو بن گیا تھا، اور کچھ شبہہ نہین کہ اگر وہ تختِ شاہی پر متمکن ہوتا تو اسلامی شعار اور خصوصیات بالکل مٹ جاتے"۔

(مقالاتِ شبلی جلد ہفتم ص ۱۰۱)

علمی حیثیت سے اس ترجمہ سے یہ فائدہ ہوا کہ برہمنون کا علمی بخل جاتا رہا، اور اب تک ان کے جو علوم مخفی رازہاے سربستہ تھے، وہ بالکل فاش ہوگئے، اور اس فارسی ترجمہ کے ترجمے یورپ کی مختلف زبانون مین ہوئے، اور کہا جاتا ہو کہ جرمنون کو اپنشد کے راز سر اکبر ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے،

سر اکبر کا ایک خوش خط قلمی نسخہ دارالمصنفین کے کتب خانہ میں ہے، گمان یہ ہے کہ اس

نسخہ کا خط داراشکوہ یا اوس کے کسی منشی کے ہاتھ کا ہے، آخری عبارت یہ ہے:-

این ترجمہ اپنکھتہاے ہر چہار وید کہ موسوم بسر اکبر است و تمام معرفت نور الانوار از فقیر بے اندوہ محمد داراشکوہ خود بعبارت راست براست در مدت شش ماہ آخر دوشنبہ بست و ششم ماہ رمضان سنہ یکہزار و شصت و ہفت در شہر دہلی، در منزل نگمبود تمام شد، و این گنج معرفت بہرہ ور از ہستی موہوم خلاص گشتہ بہستی حق رسید و رستگار و جاوید گردید، تمام شد کتاب ترجمہ اپنکھتہا موافق حیز بید[1]"

۷- **بھگوت گیتا**:- اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں ہے، جس کے شروع میں یہ عبارت ہے[2]

"گیتا بزبان فارسی تصنیف شیخ ابو الفضل علامی از کتاب مہابھارت از فن ششم که آنرا بھکہم پرب گویند سری کرشن جیو ارجن سنبادؔ"۔

اس تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ بھگوت گیتا کا یہ فارسی ترجمہ شیخ ابو الفضل کا کیا ہوا ہے، لیکن برٹش میوزیم کے فہرست نگار نے اس کی بقیہ عبارت مین ابو الفضل کے اس ترجمہ کی عبارت مین تطبیق نہین پائی، جو اکبر کے عہد مین ترجمہ کیا گیا تھا[3]، اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری مین ہے، اس کے فہرست نگار نے اس نسخہ کے ترجمہ کو داراشکوہ کی طرف منسوب کیا ہے، اور یہ بھی واضح طور سے بتایا ہے، کہ برٹش میوزیم کے نسخہ کو ابو الفضل کی طرف منسوب کرنا درست نہیں[4]، انڈیا آفس کے فہرست نگار نے ایک اور کتاب **نادر النکات** داراشکوہ کی طرف منسوب کی ہے،

---

۱ معارف نمبر ۶ جلد ۱۴ میں سر اکبر کے موضوع پر ایک بہت ہی مفصل تبصرہ شائع ہوا ہے، جس کا مطالعہ ناظرین کے لئے مفید ثابت ہوگا ۲ برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد اول ص ۵۹ ۳ انڈیا آفس کیٹیلاگ جلد اول کالم ۱۰۸۹ ۴ ایضاً کالم ۲۷۵،

مگر اس کا نام صرف سفینۃ الاولیا، کے سلسلہ مین آگیا ہے، فہرست نگار نے اس کی کوئی تفصیل نہین لکھی ہے، پروفیسر محفوظ الحق کا خیال ہے کہ یہ کتاب شاید رسالہ حق نما یا مکالمہ بابا لال و داراشکوہ کا دوسرا نام ہو، کیونکہ خدا بخش خان لائبریری پٹنہ مین جو آخر الذکر نسخہ ہے اسکا دوسرا نام مخزن نکات بھی ہے،

خزینۃ الاصفیا، کے مصنف داراشکوہ کے تذکرہ مین لکھتے ہین :-

"از تصانیف مشہورہ وے کتاب سفینۃ الاولیا و سکینۃ الاولیا، و سر اکبر و دیوان اکسیر اعظم و رسالہ حق نما و رسالہ معارف وغیرہ است"

رسالہ معارف میری نظر سے نہین گذرا، دیوانِ اکسیر اعظم کا ذکر آگے آئیگا،

مخزن الغرائب کے مولف نے اپنے دیباچہ مین ان کتابون کی فہرست دی ہے جن سے انھون نے استفادہ کیا ہے، اس فہرست مین داراشکوہ کی بیاض کا حوالہ ان الفاظ مین دیا ہے:

"**بیاض** محمد داراشکوہ ولی عہد شاہجہان بادشاہ قادری تخلص صاحب مجمع البحرین کہ باصطلاحاتِ صوفیہ ہند نوشتہ"

مگر اس بیاض کا ذکر کسی کتب خانہ کے کیٹلاگ مین نہیں، ورنہ اس سے دارا کے شاعرانہ ذوق کا اندازہ ہو سکتا تھا، لیکن مخزن الغرائب کے جیسے دقیق النظر تذکرہ نگار کا اس بیاض سے استفادہ کرنا داراشکوہ کے کمالِ شاعری کی سند ہے،

پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے مجمع البحرین کے دیباچہ مین مختلف ماخذون سے دارا کی تین اور تالیفات کا ذکر کیا ہے، پیرس کے قومی کتب خانہ مین ایک مخطوطہ نگارستانِ **منیر** ہے جس کے آخر مین ایک مرقع کا دیباچہ ہے، کتب خانہ ہذا کے فہرست نگار کا بیان ہو کہ اس دیباچہ کی تحریر داراشکوہ کی ہو، پروفیسر صاحب کا خیال ہے کہ شاید یہ دیباچہ اس **مرقع** کا ہو جو دارا نے

اپنی محبوب بیوی نادرہ بیگم کو ۱۰۵۱ھ مین بطور تحفہ دیا تھا، مخزن ستمبر ۱۹۰۴ء مین دارا کی ایک فارسی **مثنوی** اور پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل (جلد دوم نمبر ۱) مین دارا کی ایک **تزک** کا ذکر ہوا ہے، مگر ان کتابون کے نام کسی تذکرہ اور تاریخ مین نہیں پائے جاتے،

ان تالیفات کے علاوہ حسب ذیل کتابین دارا کے حکم سے لکھی گئین،

۱- **مکالمۂ داراشکوہ و بابا لال** بابا لال بیراگی ذات کا کھتری اور قصور کا باشندہ تھا، لیکن اس کا استھان دھیان پور (بٹالہ) مین تھا، میان جیو کا دوست تھا، اس لئے داراشکوہ کو بھی اس سے عقیدت تھی، اپنی کتاب شطحیات مین بابا لال کے متعلق لکھتا ہے:

"بابا لال مندیہ کہ از کمال عرفاست و در ہنود بعرفان و متانت وے کسے دیدہ نشد، مرا گفت، در ہر قومے عارف و کامل می باشد کہ حق سبحانہ تعالیٰ بہ برکت او آن قوم را نجات می دہد، و تو منکر ہیچ قومے مباش" (ص ۳۳ مطبع مجتبائی)

مجمع البحرین میں بابا لال بیراگی کا نام مسلمان صوفیۂ کرام کے ساتھ آیا ہے، (ص ۲۶)

داراشکوہ ۱۰۶۲ھ میں قندھار کی مہم سے واپس آیا، تو لاہور مین بابا لال سے ملا، اور دونون کی گفتگو سات مجلسوں میں ختم ہوئی، ان مکالمون کو داراشکوہ کے حکم سے اس کے میر منشی چندر بھان برہمن نے قلمبند کر لیا تھا، مکالمے دلچسپ ہین، جن مین یہ دکھلایا گیا ہے، کہ حق و صداقت کسی ایک مذہب کی ملکیت نہین، اب سے بہت پہلے یہ رسالہ مع اردو ترجمہ کے مطبع مجتبٰی ہند دریا گنج دہلی سے چھپ گیا ہے، اس کا اردو ترجمہ ایک ہندو لالہ چرنجی لال نے کیا ہے،

۲- **جُگ بشست** : یہ سنسکرت کی مشہور کتاب "یوگ داسی شست" کا فارسی ترجمہ ہے، جو داراشکوہ کے حکم سے اس کے ایک درباری نے ۱۰۶۶ھ مین کیا، ترجمہ کی وجہ دارا نے یہ بتائی ہے :

"اس کتاب کے انتخاب کا ترجمہ جو شیخ صوفی کے ساتھ منسوب ہے، ہم نے مطالعہ کیا تو رات کو خواب میں دیکھا کہ دو بزرگ قبول صورت ایک اونچے پر اور دوسرے کسی قدر ان سے نیچے کھڑے معلوم ہوئے جو اونچے پر کھڑے تھے، بشسٹ تھے، اور دوسرے رامچندر ...... میں بے اختیار بشسٹ کی خدمت میں حاضر ہوا، بشسٹ نے نہایت مہربانی سے ہاتھ میری پیٹھ پر رکھا، اور فرمایا کہ اے رام چندر یہ سچا طالب ہے، اور سچی طلب میں تیرا بھائی ہے، اس سے بغلگیر ہو، رامچندر کمال محبت کے ساتھ مجھ سے ملے، اس کے بعد بشسٹ نے رام چندر کے ہاتھ میں مٹھائی دی، تاکہ مجھے ملا دے، میں نے وہ شیرنی کھائی، اس خواب کے دیکھنے پر ترجمہ کی خواہش از سرِ نو زیادہ ہوئی، اور دربارِ عالی کے حاضرین میں سے ایک شخص مقرر اس خدمت پر ہوا، اور ہندوستان کے پنڈتوں سے ...... اس کتاب کے لکھنے میں اہتمام و انصرام کیا"[1]

اس ترجمہ کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے، اس کا اردو ترجمہ منہاج السالکین کے نام سے مولوی ابوالحسن صاحب نے کیا ہے، جو نولکشور پریس لکھنؤ میں طبع ہوا ہے، اوپر کی عبارت سے معلوم ہوگا، کہ دارا ہندوؤں پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا، کہ وہ بھی رام چندر کی طرح ایک اوتار ہے،

۲- **تاریخ شمشیر خانی**: یہ شاہنامہ کی گویا تلخیص ہے، جو دارا کے حکم سے کی گئی،

دارا کے وسیلہ سے جو کتابیں لکھی گئیں ان میں جناب پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی نے قصص الانبیا کا نام بھی گنایا ہے،

دارا کی علمی سرپرستی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بعض اہلِ قلم اپنی کتابیں لکھ کر اس کے

[1] بحوالہ مقدمہ رقعات عالمگیر مرتبہ نجیب اشرف ندوی رفیق دار المصنفین،

نام سے منسوب اور معنون کرتے تھے، نور الدین محمد بن عبد اللہ بن عین الملک نے ۱۰۵۶ھ میں طب پر ایک ضخیم کتاب لکھی، اور اسکا نام **طب داراشکوہی** رکھا، پیرس کے قومی کتب خانہ کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں اس کا نام **علاجات داراشکوہی** ہے، ابراہیم مسکین نے اپنی کتاب ترجمۂ **اقوال واسطی** میں ابوبکر بن محمد بن موسیٰ الواسطی کے اقوال کا فارسی ترجمہ کیا، اور اس کو داراشکوہ کے نام سے معنون کیا،

دارا نثر نگار ہونے کے علاوہ ایک ممتاز شاعر بھی تھا، اسکی شاعری کی داد اس کے مرشد نے "بے نظیر" اور "دلپذیر" کہکر دی تھی[1]، کلمات الشعراء کے مصنف سرخوش نے لکھا ہے:

"طبع بلند و ذہنے رسا داشت، مطالب صوفیہ در رباعی و غزل منظوم می کرد و بسبب اعتقادی کہ بسلسلۂ عالیہ قادریہ داشت، قادری تخلص می کرد ...... دیوان مختصر از و جمع شدہ"

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ داراشکوہ کے دیوان کا نام **اکسیر اعظم** تھا اور وہ اسکی شاعری کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"سخنش دریائے توحید است کہ از زبانِ گوہر افشانِ او روان گشتہ و یا خورشید وحدانیت است کہ از افق بسان مطلع انوارش طلوع شدہ، مغزی باید کہ سخنش را بفہمد و دلی باید کہ معانی آن در وی امکان پزیرد" (خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۱۶۵ جلد اول)

دارا کا دیوان نایاب تھا، مگر ابھی حال ہی میں خان بہادر ظفر الحسن صاحب (محکمۂ آثار قدیمہ) کو اس کے ایک دیوان کا نسخہ ملا ہے، موصوف نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک ماہانہ جلسہ (جولائی ۳۹ء) کے مضمون میں یہ بتایا ہے، کہ اس دیوان میں دارا کی ۱۴۳ غزلیں اور ۲۸ رباعیات ہیں، اور یہ نسخہ دارا کی زندگی ہی میں لکھا گیا تھا، اب تک اس دیوان کی طباعت نہ ہو سکی ہے، لیکن شاید علی گڑھ کی مجلسِ تاریخ کی طرف سے بہت جلد شائع ہونے والا ہے، مختلف تذکروں میں ہم کو

[1] سکینۃ الاولیاء صفحہ ۱۴۷،

دارا کے جو جستہ جستہ اشعار ملے ہین، ان کو ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کرتے ہین، اس کو دارا کے ذوقِ شعری کا اندازہ ہوگا،

تذکرۂ سرخوش:۔

ہر خم و پیچی کہ شد از تاب زلفِ یار شد
دام شد زنجیر شد تسبیح شد زنار شد

خاطر نقاش در تصویر حسنش جمع بود
چون بزلفِ او رسید آخر پریشانی کشید

بشکست دلِ ابلہ از گردش پایم
در کار من انیهم گرہی بود کہ وا شد

بقدر مال باشد سر گرانی،
ز وزن زر فزاید بار دستار

بخیہ بر فرقۂ فناکیشان
موجِ آب حیات را ماند،

ہمہ چیز تو خوب لیک این بد
کہ تو بسیار دیر می آئی

تا دست رسیدیم چو از خویش گذشتیم
از خویش گذشتن چہ مبارک سفری بود

مخزن الغرائب: رباعی

معروف شدم تا کہ بعرفان گشتم
عارف شدم وز خویش عریان گشتم

پیدا کردی مرا ولیکن من ہم
پیدا کردم ترا و قربان گشتم

دیگر

عارف دل و جانِ تو مزین سازد
خار کہ بود باش گلشن سازد

کامل ہمہ راز نقص بیرون آرد
یک شمع ہزار شمع روشن سازد

حسنات العارفین میں دارا شکوہ نے شطحیات کی تائید و حمایت مین بکثرت اشعار نظمین اور رباعیان لکھی ہین، ان مین جو اشعار اور رباعیان اوس نے اپنی طرف منسوب کی ہین، ان کو ہم ذیل میں درج کرتے ہین، شہزادہ اس مضمون کو کہ ذاکر مذکور سے غافل ہو سکتا ہے، مگر اوس کا غافل ہونا عوام کے

غافل ہونے سے مختلف ہے یون ادا کرتا ہے،

خوش گرچہ بیاد خود نشستن ہمہ وقت
این قید چہ لازم ست بر من ہمہ وقت

غافل شدنِ خلق ز حق از حق ست
خود را تعب است یاد کردن ہمہ وقت

یا توحید کی حقیقت خود توحید کو فراموش کرنا ہے،

توحید خموشی ست و فکر است مدام
بحث آمد و شد ز دستِ توحید تمام

یک گفتن تو بہ بین دوی ثابت کرد
توحید رود ز نقطہ چون گیری نام

ابو عبد اللہ خفیف ؒ سے پوچھا گیا، کہ تصوف کیا ہے، تو فرمایا غفلت را ہم وجود اللہ دانستن

دارا نے اس نکتہ کو اس طرح ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے،

ہر چند کہ خلق را گرفتہ کو بی،
غفلت شدہ است بر ہمہ مستولی

مشغول بحق ست بفہمد،
یا نہ ہر کس کہ بہر چیز کند مشغولی

جو شخص خدا کے ساتھ مشغول ہے، اوس کے لئے ایمان کا سوال باقی نہین رہتا،

کافر گفتی تو از پے آزارم،
این حرف ترا راست ہمی پندارم

بر پستی و بلندی ہمہ شد ہموارم،
من مذہب ہفتاد و دو ملت دارم

منصور نے صرف اپنے مین خدا کو دیکھا، لیکن عارف ہر چیز مین خدا دیکھتا ہے،

عارف بوجود اطلاق خدائی نکند
از ذاتِ لطیف خود جدائی نکند

گر بندہ کسے بود خدا او باشد
چون جملہ خداست خود نمائی نکند

توحید علم سے حاصل نہیں ہوتی ہے، کہنا اور ہے، اور ہونا کچھ اور ہے،

خواہی کہ شوی داخلِ اربابِ نظر
از قال بحال بایدت کرد گذار

از گفتن توحید موحد نشوی،
شیرین نشود دہان ز نام شکر

عارف کسی کی پیروی نہیں کرتے ہیں،

ہردم برسد بعارفان ذوق جدید — خود مجتہد اند نے ز اہل تقلید

شیران نخورند جز شکار خود را — روباہ خورد فتادہ صید قدید

دنیا کی تمام چیزوں کو معرفت حاصل ہے، لیکن یہ راز صرف عارف کو معلوم ہوتا ہے،

توحید شناخت ہر گرا حاصل نیست — در راہ طلب ہمت او عالی نیست

خوش آنکہ میان خویش حق را بشناخت — او وہمہ جاست ہیچ جا خالی نیست

عرفان اپنے کو پہچاننے نہ کہ اپنے کو فنا کر دینے میں ہے،

کے کار تو در شمار حق حق می آید — قلبے تو در اعتبار حق می آید

باید کہ تو عین خویش دانی حق را — فانی شدنت چہ کار حق می آید،

بر عارف اطلاق مردن جائز نبود چہ جان بجانان پیوست آب آب شد و خاک خاک، ہوا بہوا و آتش آتش،

بیرون و درون کوزہ پر بود ہوا — پیچید درون کوزہ آواز و صدا

کوزہ بشکست و گشت آواز آواز — بشکست حباب و گشت عین دریا

خدا کا نام لیکر ذکر کرنا غفلت کا باعث ہی،

ہستی وجود خویشتن کردم رو — گردید مسا و یم ہمہ نیک و بد

اکنون نتوان نام خود و نام شنود — گر نام بگیرم ز من او می رنجد

فقیر اور عارف کا کوئی نام نہیں ہوتا،

یک ذرہ ندیدیم ز خورشید سوا — ہر قطرہ آب ہست عین دریا،

حق را بچہ نام کس تواند خواندن — ہر نام کہ ہست ہست از اسماء خدا

داراشاہ دلربا کو ایک رقعہ میں لکھتا ہے کہ اس کے دل سے اسلام مجازی محو ہو گیا، اور اب کفر حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے، اور اس کفر حقیقی کی قدر معلوم کرنے کے بعد وہ زنار پوش، بت پرست، بلکہ خود پرست اور دیر نشین ہو گیا ہے، اور اس کے لئے کسی چیز کے اقرار و انکار کا سوال باقی نہیں رہا ہے،

مسلمان گر بدانستے کہ بت چیست — بدانستے کہ دین در بت پرستی است

اگر کافر ز اسلام مجازی گشت بیزار — کرا کفر حقیقی شد پدیدار،

درون ہر بتے جانیست پنہان — بزیر کفر ایمانیست پنہان،

بتر سازادہ دادم دل بیکبار — مجرد گشتم از اقرار و انکار[۱]

داراشکوہ نہ صرف شاعر تھا، بلکہ شاعروں کا سرپرست اور مربی بھی تھا، میر رضی دانش مشہد سے ہندوستان آیا تو داراہی کے دامن دولت سے وابستہ ہو کر درجۂ عروج پر پہنچا، مرآۃ الخیال کا مؤلف میر رضی دانش کے ذکر میں لکھتا ہے:

"از تربیت کردہاے شاہ بلند اقبال سلطان داراشکوہ است و بدست یاری استعداد و یاوری طالع بمحفل ہمایونش راہ دانست"

رضی دانش کے متعلق مخزن الغرائب میں ہے:-

"شاہزادہ داراشکوہ ...... و یرا تربیت کلی فرمودہ از باعث قدردانی شہزادہ نہایت عزت و شہرت بہند یافت"

مرآۃ الخیال کے مؤلف کا بیان ہے، کہ رضی دانش کی مندرجۂ ذیل غزل پر دارا نے ایک لاکھ روپئے بطور انعام دیئے،[۲]

---

[۱] رقعات عالمگیر مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ص ۳۲۳،
[۲] مرآۃ الخیال، کلکتہ اڈیشن ص ۲۵۸

موسم آن شد کہ ابر تر چمن پرور شود / نکہتِ گل مایۂ شورِ جنون در سر شود

تاک را سیراب سازد ای ابر نیسان در بہار / قطرہ تا مے میتواند شد چرا گوہر شود

نالۂ بلبل نہان در پردۂ برگِ گل است / بید ماغم کاش ازین یک پردہ نازک تر شود

با ذوقِ گریۂ مستی درین بزم آدمم / مے بدہ ساقی بقدرِ آنکہ چشمم تر شود

رازِ پوشیدن نیاید دانش از بے تابِ عشق / درمیانِ انجمن پروانہ خاکستر شود،

مراۃ الخیال مین ہے، کہ داراکو مطلع بہت پسند آیا، لیکن سرخوش رقمطراز ہے کہ اس کو دوسرا شعر مرغوب ہوا، چنانچہ اس شعر کو مصرعِ طرح بنا کر شعراء کو غزلین لکھنے کی فرمایش کی، اوس نے بھی اس پر ایک غزل کہی جس کا ایک شعر یہ ہے،

سلطنت سہل است خود را آشنائی فقر کن / قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود[۱]

داراشکوہ اپنے میر منشی چندر بھان برہمن کی نثر و نظم کی سادگی کا بھی دلدادہ تھا، اور یہ مراۃ الخیال کے مؤلف کیلئے باعثِ تعجب ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"عجب کہ شاہزادہ بآن ہمہ مستعدان کہ در عرصۂ روزگار برنگ آمیزی الفاظ آبدار صفحۂ خاطر ارباب دانش را چون شگفتہاے موسم بہار بہزار رنگ متلون می ساختند خاطر مبارک بسخن سادہ اش فرود آوردہ بود، این معنی خالی از دو چیز نبودہ باشد، یا مذاق شاہزادہ بہمان طرز آشنائی داشت، یا او نیز در طالع بدین پایہ رسید"[۲]

داراشکوہ کو برہمن کا یہ شعر بہت پسند تھا،

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار / بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

داراشکوہ نے برہمن سے شاہجہان کے سامنے بھی یہ شعر پڑھایا، شاہجہان سنکر برافروختہ ہوا

۱ سرخوش مخطوط بنگال ایشیاٹک سوسائٹی،

لیکن افضل خان نے اس کا غصہ سعدی کا یہ شعر پڑھکر ٹھنڈا کیا،

خر عیسیٰ گرش بمکہ برند / چون بیاید ہنوز خر باشد[۱]

داراشکوہ فن خطاطی میں بھی ید طولیٰ رکھتا تھا، یہ فن اوس نے شاہجہانی عہد کے مشہور استاد آقا عبدالرشید دیلمی سے سیکھا، اور وہ اس کا بہت ہی محنتی اور لائق شاگرد تھا، تذکرۂ خوشنویسان مین ہے:

"داراشکوہ پسر شاہجہان بادشاہ شاگرد عبدالرشید آقاست باوجود اشتغال امور شاہزادگی، و دیگر علوم بروئے آقا عبدالرشید شاید کسے مثل او نوشتہ باشد"[۲]

دارا کو نستعلیق اور نسخ دونون مین کامل مہارت تھی، پروفیسر محفوظ الحق نے اس کی خطاطی کے بہت سے نمونون کا ذکر مجمع البحرین کے دیباچہ مین کیا ہے، مثلاً اوس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک کلام پاک عزیز باغ لائبریری حیدرآباد دکن مین ہے، اس کے حروف شروع سے آخر تک سُنہرے ہین، ایک مطلا پنجسورہ کا نسخہ بخط نسخ اور ایک "دہ پند ارسطو" کا نسخہ بخط نستعلیق وکٹوریہ میموریل ہال مین محفوظ ہے، آصفیہ لائبریری حیدرآباد مین دارا کے خط کی دو کتابین ہین، رسالۂ حکمت ارسطو اور شرح دیوان حافظ (فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد اول ص ۳۹) ان کے علاوہ اسکی لکھی ہوئی وصلیان مختلف جگہون مین پائی جاتی ہین، بعض کتابون پر اس کے دستخط اور مختصر تحریرین بھی ہین، جو خطاطی کے نادر نمونے کہی جاسکتی ہین،

سپہر شکوہ خزینۃ الاصفیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ داراشکوہ کے قتل کے بعد جب اسکا نو سالہ لڑکا اورنگ زیب عالمگیر کے سامنے پیش کیا گیا تو عالمگیر نے اس بچہ کا حال پوچھا، بچے نے

۱ مراۃ الخیال ص ۱۵ ص ۲۱۴،

۲ تذکرہ خوشنویسان ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ص ۵۴

فی البدیہہ یہ شعر پڑھا،

بجز داراً بر دلِ من کمتر از یعقوب نیست او پسر گم کردہ بودہ من پدر گم کردہ ام

عالمگیر یہ جواب پاکر رنجیدہ ہوا اور بولا بھیڑیے کو مارنا اور اس کے بچہ کی پرورش کرنا عقلمندون کا کام نہین، چنانچہ اس بچہ کو مروا ڈالا[1]، خزینۃ الاصفیاء کے مصنف نے نو سالہ بچے کا نام نہین لکھا ہے، مصنف موصوف کی مراد شاید سپہر شکوہ سے ہو، مگر یہ روایت صحیح نہین، کیونکہ عالمگیر نے اپنے سولھوین سال جلوس ۱۰۸۳ھ مین اپنی لڑکی نواب زبدۃ النساء بیگم کو شہزادہ سپہر شکوہ کے حبالۂ عقد مین دیا[2]،

(باقی)

---

[1] خزینۃ الاصفیاء، ص ۱۵۵، جلد اول [2] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ صفحہ ۸۳ دارالترجمہ حیدرآباد دکن،

مقدمہ رقعات عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشاء اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشاء کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشاء اور اس کی تاریخ کے مآخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پر خود ان خطوط ورقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے، مرتبہ پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم، اے،

قیمت: عہ للعہ

ضخامت، ۳۷۰ صفحے

منیجر دارالمصنفین

تاریخ ملک ارسلان غزنوی

از

جناب غلام مصطفی خانصاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ) اسسٹنٹ لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)

برٹش میوزیم کے مخطوطہ نمبر ۱۰۷۶۹ کے ورق ۱۰، اب اور ۱۰ اب سے معلوم ہوتا ہے، کہ سرہنری ایلیٹ نے غالب کے شاگرد نواب ضیاء الدین (نیر رخشان) سے فرمایش کی تھی، کہ مسعود سعد سلمان[1] (م ۵۱۵ھ / ۱۱۲۱ء) اور سید حسن غزنوی (م ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء) کے کلام سے تاریخی اشارات جمع کئے جائین، لیکن افسوس ہے کہ وہ اس طرف زیادہ توجہ نہ کرسکے، ورنہ یہ زمانہ جس کو بارتھولڈ نے اپنی کتاب "ترکستان" مین "تاریک زمانہ" کہا ہے کسی قدر نمایان ہو جاتا، بہرحال ہم کوشش کرتے ہین، کہ ان شاعرون اور ان کے معاصرین کے کلام سے غزنوی عہد کے اختتام کی تاریخ مرتب ہوسکے، چنانچہ ملک ارسلان کی تاریخ کو اس سلسلہ کی ایک کڑی سمجھنا چاہیئے،

ملک ارسلان کے والد یہ بادشاہ اس معاملہ مین ضرور خوش قسمت ہے کہ تاریخ نے اوس کو مسعود سوم غزنوی (شوال ۵۰۸ھ فروری ۱۱۱۵ء) ہی کا بیٹا سمجھا، ورنہ اس کے بھائی بہرام شاہ غزنوی (م ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء)

---

[1] یہ عجیب بات ہے، کہ جب نیر رخشان نے ورق ۱۰ اب مین لکھا کہ مسعود سعد سلمان کی وفات ۵۱۵ھ ہجری مین ہوئی، تو وہ بہرام شاہ غزنوی کے متعلق جو بعد کو تخت نشین ہوا کیونکر لکھ سکتا ہے، تو سرہنری ایلیٹ نے اوس ورق کے حاشیہ پر انگریزی مین لکھ دیا ہے، کہ میرا مقصد مسعود سعد سلمان سے نہ تھا، بلکہ صرف سید حسن غزنوی سے تھا،

کو صاحب طبقات ناصری[1] تک نے اوس کا چچا کہا ہے، تاریخ کے قول کی تصدیق عثمان مختاری[2] (م ۵۵۴ھ / ۱۱۵۹ء)
کے اس شعر سے بھی ہو جاتی ہے:

ابو الملوک ملک ارسلان بن مسعود　　طراز ملک جہان پادشاہ ملک طراز[3]

ملک ارسلان کی والدہ اسکی والدہ کے متعلق تاریخ کو ضرور دھوکا ہوا ہے، ہم یہاں کوشش کرتے ہیں کہ اس کے متعلق شبہات دور ہو جائیں، عموماً تمام تاریخوں میں ہے کہ سلطان سنجر سلجوقی (م ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء)[4] کی بہن "مہد عراق" بہرام شاہ (برادر ملک ارسلان) کی ماں تھی، ابھی اس بات کو یہ کہنا ہی تھا، کہ اسی سلسلے میں ایران کے جدید مورخ عباس پرویز کا دعوی یاد آیا، جو بغیر ثبوت کے فرماتے ہیں، کہ

---

[1] نسخہ بانکی پور ورق ۱۲۳ (الف)، یا کلکتہ اڈیشن صفحہ ۲۲، ذیل کے اشعار سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ (ارسلان کی طرح) بہرام شاہ بھی مسعود سوم کا لڑکا تھا:

شاہ بہرام شاہ بن مسعود　　کہ بنازد بعدل او محمود　　(حدیقہ سنائی لکھنو اڈیشن ص ۶۲۵)

شاہ بہرام شاہ بن مسعود　　کہ ہنر و چرخ صفۂ بارش　　(دیوان سید حسن غزنوی انڈیا آفس نمبر ۹۳۱ ورق ۱۴۶ ب)

[2] ڈاکٹر ایتھے نے عثمان مختاری کی تاریخ وفات (فہرست انڈیا آفس صفحہ ۶۳۸) ۵۴۴ھ / ۱۱۴۹ء یا ۵۵۴ھ / ۱۱۵۹ء بتائی ہے، لیکن یہ تاریخ غلط ہو گی، اگر ہم تاریخ صبح صادق (جلد سوم ورق ۱۱۳۲ الف بانکی پور) کا یہ قول صحیح سمجھیں کہ ذیل کے شعر والا قصیدہ خسرو ملک نبیرۂ بہرام شاہ (نہ کہ فرزند ملک ارسلان) کی مدح میں ہے جو ۵۵۹ھ / ۱۱۶۳ء میں تخت نشین ہوا:

ابو الملوک خداوند خسروان زمین　　جمال ملکت خسرو ملک پناہ سپاہ

[3] دیوان مختاری ورق ۸ ب بانکی پور، عثمان مختاری کا مکمل دیوان بانکی پور میں ہے، انتخاب جامعہ عثمانیہ میں ہے، اور اسی کی صحیح نقل، لیکن قدیم نسخہ پروفیسر مسعود حسن رضوی لکھنوی کے پاس ہے [4] روضۃ الصفا ۱۲۷۰ء جلد چہارم صفحہ ۹۹، راحت الصدور میں سنجر کی وفات ۵۵۱ھ / ۱۱۵۶ء میں بتائی ہے، مجالس العشاق (لکھنو اڈیشن صفحہ ۲۳۲) بھی ملاحظہ ہو،

وہ سنجر کی بیٹی تھی[1]، گویا شبہہ در شبہہ پیدا کر دیا ہے، بہر حال ان کا یہ قول کہ وہ سنجر کی بیٹی تھی قطعی غلط ہے، کیونکہ سنجر کی ولادت راحت الصدور میں ۴۷۹ھ / ۱۰۸۶ء ہے، اور بنداری کے یہاں جمعہ ۲۵ رجب ۴۷۱ھ (یکم فروری ۱۰۷۹ء) ہے[2]، اگر بنداری کا قول اصح مانا جائے، اور تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کر لیا جائے کہ سنجر نے اپنے دادا الپ ارسلان کی طرح[3] تیرہ ۱۳ سال کی عمر میں شادی کی یعنی ۴۸۴ھ / ۱۰۹۲ء میں تو اسکی بیٹی "مہد عراق" اگر سب سے پہلی اولاد ہو تو وہ ۴۸۵ھ / ۱۰۹۳ء سے پہلے پیدا نہ ہوئی ہو گی، اس تاریخ کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ دیکھنا ہے، کہ اس لڑکی کی شادی کب ہوئی اور کب ہو سکتی تھی؟

تاریخ فرشتہ (جلد اول صفحہ ۴۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سلطان ابراہیم غزنوی (م ۴۸۱ھ / ۱۰۸۸ء) اپنے بیٹے کی شادی "مہد عراق" کے ساتھ کر چکا اور اُسے سلجوقیوں کی طرف سے یک گونہ اطمینان ہو گیا، تو وہ ہندوستان آیا اور قلعہ اجودھن (پاک پٹن) کو ۴۷۲ھ / ۱۰۷۹-۸۰ء میں فتح کیا، ابن الاثیر (جلد دہم صفحہ ۴۶) نے اس فتح کی تاریخ ۲۰ صفر ۴۷۶ھ (یک شنبہ ۹ جولائی ۱۰۸۳ء) لکھی ہے، بہر حال اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس فتح کی تاریخ کے پہلے شادی ہو چکی تھی، اب اگر معتبر بنداری کا قول اصح سمجھا جائے، کہ سنجر کی ولادت ۴۷۱ھ / ۱۰۷۹ء میں ہوئی تو عباس پرویز کے بے بنیاد قول کو کون مان سکتا ہے، کہ وہ شادی (جو ۴۷۲ھ یا ۴۷۶ھ سے پہلے ہوئی) سنجر کی بیٹی سے ہوئی تھی، جب کہ اوس کی بیٹی ۴۸۵ھ / ۱۰۹۳ء سے پہلے پیدا

---

[1] "از طاہریان تا مغول" جلد اول صفحہ ۵۰۹ [2] مصری اڈیشن ۱۳۱۸ھ ص ۲۳۴ [3] سنجر کے والد ملک شاہ کی پیدائش ۴۴۵ھ / ۱۰۵۳ء میں ہوئی اور ملک شاہ کے والد الپ ارسلان کی پیدائش ۴۳۱ھ / ۱۰۳۹ء میں ہوئی تھی، یعنی ملک شاہ اپنے والد کی ۱۴ سال کی عمر میں پیدا ہوا، ملاحظہ ہو راحت الصدور یا اس کا خلاصہ (رائل ایشیاٹک جرنل مورخہ جولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۵۹۴ و ۵۹۵)

نہیں ہوسکتی تھی، چنانچہ اب واضح ہوا کہ یہ قول صحیح ہے، کہ "مہد عراق" سنجر کی بیٹی نہ تھی،

اب طبقات ناصری[1] کے اس قول کو پرکھنا کہ "مہد عراق" ارسلان کی سوتیلی ماں اور بہرام شاہ کی حقیقی ماں تھی، صرف فخر الدین مبارک شاہ (م ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء - ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء) کو اس سے اختلاف ہے، اور اس نے اس شادی کے متعلق اپنی کتاب آداب الحرب[2] میں تفصیل دی ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب ملک شاہ سلجوقی (م ۴۸۶ھ ۱۰۹۳ء) نے غزنین کی طرف بڑھنے کے لئے خوارزم، خراسان اور عراق سے ایک بہت بڑی فوج جمع کی، تو سلطان ابراہیم غزنوی نے اپنے ایلچی بہتر رشید (ابوالرشد رشید) کو صلح کی غرض سے بھیجا، وہ ایلچی ایک عرصے تک ملک شاہ کے دربار میں رہا، اور آخر کار اوس نے کوشش کرکے مسعود سوم غزنوی کی شادی چغری بیگ ابو سلیمان داؤد ابن میکائیل بن سلجوق کی لڑکی یعنی ملک شاہ کی پھوپھی سے طے کرائی، آداب الحرب کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"ملک شاہ، بہتر رشید را گفت، من دختر ندارم، اما عمتے ہست مرا بعراق، دختر جغر بیگ داؤد نام نذر کردم، کس بفرست تا بیارند و بدان حضرت برند" بر فور فرمود تا بعراق نامہ نوشتند کہ عمت خویش را با امیر علاء الدولہ مسعود بزنی دادم، زود تر برگ او بسازند کہ کسان می آیند تا ہرچہ زود تر گسیل کنند، و آن دختر، مادر ملک ارسلان بود......"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ملک ارسلان کی ماں، چغر بیگ ابو سلیمان داؤد کی لڑکی[3] ...

---

[1] کلکتہ ایڈیشن صفحہ ۲۳ ھ شائع کردہ اورینٹل کالج لاہور ص ۲۷۰ - ۲۷۱، [2] اس کے پورے نام کے لئے ملاحظہ ہو رائل ایشیاٹک جرنل مورخہ جولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۵۰۸، [3] مس اقبال شفیع کو شک ہے کہ یہ شادی کیونکر ہو سکتی تھی، جب کہ چغر بیگ کی وفات ۴۵۰ھ ۱۰۵۸ء میں ہوئی، اور مسعود سوم تین سال بعد پیدا ہوا (اسلامک کلچر مورخہ اپریل ۱۹۳۶ء ص ۱۹۶) لیکن بڑی عمر کی لڑکی سے شادی کرنا مسلمانوں میں رائج ہے،

تھی جو غالباً عراق میں رہنے کی وجہ سے "مہد عراق" کے لقب سے مشہور ہوئی، ملک ارسلان کے اس رشتہ کے متعلق ذیل کے تیسرے شعر میں مسعود سعد سلمان نے اشارہ کیا ہے: (از زبان ملک ارسلان گوید)

من مایۂ عدل و مایۂ جودم، سلطان ملک ارسلان مسعودم

محمود خصالم و رسم و رہ دانم زیرا شرف نژاد محمودم

با قوت و قدرت سلیمانم، زیرا ز اصل و نسل داؤدم[1]

اسی شاعر نے ایک اور جگہ اشارہ کیا ہے:

تو ئی ز گوہر محمود و گوہر داؤد کدام شاہ نسب دار و از چنین و نژاد

اس شعر کے دوسرے مصرع میں اگر شاعرانہ مبالغہ نہ ہو بلکہ حقیقت ہو تو بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ صرف ملک ارسلان ہی ان دو خاندانوں سے تعلق رکھتا تھا، اور اس کا بھائی بہرام شاہ اس ماں سے نہ تھا،

ملک ارسلان کی ولادت اس بادشاہ کی ولادت کے متعلق بھی تاریخوں میں اختلاف ہے، اس لئے اسے بھی پرکھنے کی ضرورت ہے،

ابن الاثیر (جلد دہم صفحہ ۱۷۹) اور ابو الفداء (جلد دوم ص ۲۳۹) وغیرہ عربی مورخوں نے لکھا ہے کہ ملک ارسلان ۲۷ سال کی عمر میں جمادی الآخر ۵۱۲ھ (ستمبر ۱۱۱۸ء) میں قتل ہوا یعنی اس حساب سے اوس کی تاریخ ولادت ۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء سمجھنا چاہئے، لیکن صاحب طبقات ناصری (کلکتہ اڈیشن ص ۲۳)

---

[1] دیوان مسعود سعد سلمان، طہران ایڈیشن ص ۶۱۱ ھ ایضاً ص ۱۱۳ ھ اسی طرح مسعود سعد سلمان نے (دیوان ص ۵۶۰) جب بہرام شاہ کی نسل کی تعریف کی ہے، تو صرف یہ کہا ہے:

گویند ہفت کشور زیر نگین کند شاہے ز اصل و نسل یمین دین توئی

اس کے علاوہ اگر "مہد عراق" ارسلان کی ماں نہ ہوتی تو وہ سنجر کے پاس اسے تحائف کے ساتھ بہرام شاہ کے خلاف کیوں بھیجتا، نیز ارسلان نے جب سنجر کی فوج کشی کا حال سنا تو سنجر کے حقیقی بھائی محمد سلجوقی سے سفارش چاہی کہ سنجر بہرام شاہ کی مدد نہ کرے،

نے لکھا ہے کہ اس نے ۳۵ سال کی عمر میں ۵۱۱ھ / ۱۱۱۷ء میں وفات پائی، یعنی اس دوسرے حساب سے اسکی پیدائش ۴۷۶ھ / ۱۰۸۳ء میں ہوئی،

اس کے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ ملک ارسلان کے والد مسعود سوم غزنوی کی شادی قلعۂ اجودھن (پاک پٹن) کی فتح کے پہلے ہو چکی تھی، اور فرشتہ نے اس فتح کی تاریخ ۴۷۲ھ / ۱۰۷۹ء بتائی ہے، اس کے معنی یہ ہوے کہ وہ شادی اس کے پہلے یعنی غالباً ۴۷۱ھ / ۱۰۷۸ء میں ہوئی، لیکن ذیل کے واقعات کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ تاریخ صحیح نہیں ہے:

(الف) راحت الصدور[۱] سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس سال یعنی ۴۷۱ھ / ۱۰۷۸ء میں ملک شاہ سلجوقی سمرقند وغیرہ کی فتح میں مشغول تھا، اور آداب الحرب سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سلطان ابراہیم غزنوی کے ایلچی مہتر رشید نے ملک شاہ کے دربار میں ایک عرصہ تک گفت و شنید کی، اور مختلف چالوں سے ملک شاہ کو اس شادی کے لئے آخر کار مجبور کرہی دیا، اس سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ اس طویل گفتگو کے لئے ملک شاہ کو پورا سکون چاہئے تھا، جو اسے ۴۷۱ھ / ۱۰۷۸ء میں سمرقند کی مہم کی وجہ سے حاصل نہ ہوسکتا تھا،

(ب) نظامی عروضی نے چہار مقالہ (مقالہ دوم حکایت ششم) میں لکھا ہے کہ جب مسعود سعد سلمان ۴۷۲ھ / ۱۰۷۹ء میں محبوس ہوا تو اوس نے یہ رباعی سلطان ابراہیم کے پاس بھیجی:

در بند تو اے شاہ ملک شہ باید — تا بند تو پاے تاجداری ساید
آن کس کہ ز پشت سعد سلمان آید — گر زہر شود ملک ترا نگزاید

اگر نظامی عروضی[۲] کی یہ تاریخ (۴۷۲ھ / ۱۰۷۹ء) صحیح مان لیجائے، تو پھر یہ خیال پیدا ہوتا ہے

[۱] راحت الصدور یا اس کا خلاصہ رائل ایشیاٹک جرنل جولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۵۹۵، [۲] مرزا قزوینی نے مسعود سعد سلمان کی پہلی قید اور نظامی عروضی کی اس تاریخ کے متعلق کوئی پختہ رائے نہیں دی، ان کا

کہ وہ شادی اس تاریخ تک نہ ہوئی ہوگی، کیونکہ اس رباعی کے پہلے شعر سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اس وقت تک سلطان ابراہیم اور ملک شاہ کے درمیان تعلقات اچھے نہ تھے، کیونکہ وہ شادی جس کے لئے سلطان ابراہیم نے لاکھ جتن[۳] کئے تھے، ضرور بہت زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی ہوگی، اور ایسی حالت میں ایک محبوس شاعر کا ایسا لکھنا کوئی آسان کام نہ تھا،

(ج) ہم ابھی آداب الحرب سے بتا چکے ہیں، کہ سلطان ابراہیم غزنوی کا ایلچی مہتر رشید عرصے تک ملک شاہ کے دربار میں رہا، اور جب اوس نے مسعود سوم غزنوی کی شادی کے لئے درخواست کی، تو ملک شاہ نے جواب دیا کہ "من دختر ندارم، اما عمتے ہست مرا بعراق......"

اس گفتگو کا زمانہ یقیناً ۴۷۴ھ / ۱۰۸۱-۸۲ء کے بعد ہوگا، کیونکہ ابن خلدون[۴] سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسی سال ملک شاہ نے اپنی ایک لڑکی خلیفہ المقتدی (م ۴۸۷ھ / ۱۰۹۴ء) کے عقد میں دی تھی، چنانچہ ثابت ہوا کہ وہ شادی ۴۷۴ھ / ۱۰۸۱-۸۲ء کے بعد اور فتح اجودھن کے پہلے ہوئی ہوگی کیونکہ فرشتہ نے اس فتح کا زمانہ اس شادی کے بعد ہی بتایا ہے، لیکن چونکہ اوس نے اس فتح کا زمانہ ۴۷۲ھ / ۱۰۷۹ء بتایا ہے اس لئے ابن الاثیر کا قول زیادہ معتبر ہے، یعنی ۲۰ صفر ۴۷۶ھ (یک شنبہ ۹ جولائی ۱۰۸۳ء) اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ وہ شادی ۲۰ صفر ۴۷۶ھ کے پہلے اور ۴۷۴ھ کے بعد ہوئی، یعنی ۴۷۵ھ / ۱۰۸۲-۸۳ء میں سلجوقی اور غزنوی خاندان پھر وابستہ ہوئے،

اس تفصیل سے نتیجہ یہ نکلا کہ طبقات ناصری کا قول اصح ہے، کہ ارسلان ۴۷۶ھ / ۱۰۸۳ء میں پیدا ہوا

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۴) خیال ہے، کہ اس شاعر کی قید ۴۸۰ھ / ۱۰۸۷ء سے لیکر ۴۹۲ھ / ۱۰۹۸ء کے کچھ پہلے تک رہی (ملاحظہ ہو، انگریزی ترجمہ "تنقید مسعود سلمان" از پروفیسر براؤن صفحہ ۴۱-۴۳) لیکن اس شاعر کے دیوان میں رشید یاسمی کا مقدمہ بہتر معلوم ہوتا ہے،

[۳] فرشتہ (ص ۴۸ جلد اول) نے اس باہمی تعلق کے لئے دوسری تفصیل دی ہے[۴] تاریخ ابن خلدون اردو ترجمہ جلد چہارم حصہ دوم ص ۱۲

جب کہ وہ شادی ۴۷۵ھ (۱۰۸۲-۸۳ء) مین ہو چکی تھی،[۱]

تخت نشینی اور خانہ جنگیاں

مسعود سوم غزنوی کی وفات ۲۶ شوال ۵۰۸ھ (مارچ ۱۱۱۵ء) مین ہوئی، اور اسکی وصیت[۲] کے مطابق اس کا بڑا لڑکا شیرزاد تخت نشین ہوا، لیکن تاریخ اوس کے حال کر خاموش ہے، شعرائے معاصرین مثلاً ابو الفرج رونی اور مسعود سعد سلمان کے بعض قصائد سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے، کہ وہ اپنے والد کی زندگی میں سپہ سالار رہ چکا تھا، ورنہ اس کی یک سالہ بادشاہی تاریخی اعتبار سے بالکل پوشیدہ ہے، اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے، کہ اس کو مطلق طمانیت حاصل نہین ہوئی، کیونکہ اس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی خانہ جنگیان شروع ہو گئین، آخرکار ملک ارسلان نے اپنے اس بھائی کو قتل کیا،[۴] اور دوسرے بھائیون کو یا تو قتل کر دیا، یا قید کر دیا، لیکن اوس کا بھائی بہرام شاہ[۵] جو تکین آباد (علاقہ گرم سیر) مین اپنے باپ کے ساتھ باپ کی وفات کے

---

[۱] مسعود سعد سلمان کے ذیل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ شادی زمستان میں ہوئی یعنی شعبان شوال ۴۷۵ھ (۱۲ دسمبر ۱۰۸۲ء، ۲۰ مارچ ۱۰۸۳ء) جب کہ وہ شاعر قید تھا:

آنک رامش بخواہ گوہر شادی بیار　　رعد مثال آن بزن ابر نہاد این بیار
روے چو در رخ زمین گشت ز سبزہ بہشت　　نقش گرفتہ جہان شد بہ زمستان بہار
عمدۂ پایندہ ملک خاصہ خسرو رشید　　آمد باز از عراق شاد دل و شادخوار
داد بشہزادۂ زادۂ شاہی چنو　　در ہنر مملکت دیدہ نشد روزگار
دایم پوشیدہ نیست بر دل بیدار تو　　کہ من چو بنیم ہمی در فزع این حصار
چو بوم خسیم زدہم در شکم این مضیق　　چون زاغ خیزم ز ترس بر سر این کوہسار

(دیوان مسعود سعد سلمان صفحہ ۲۰۹، ۲۱۲)

[۲] جنات الفردوس ورق ۶۴ الف (بانکی پور) مجمل فصیحی ورق ۱۶۰ الف (بانکی پور) تاریخ ابن الاثیر جلد دہم ص ۱۹۱ (مطبوعہ مصر وغیرہ)

[۳] تاریخ گزیدہ (حبیب گنج) مراۃ العالم ورق ۱۰۹ الف وغیرہ [۴] ایضاً ص [۵] طبقات ناصری (راورٹی ص ۱۴۸)

پہلے سے تھا، بھاگ نکلا جس کی تفصیل ہم آیندہ لکھین گے،

ملک ارسلان نے جب میدان صاف پایا، تو غزنین مین "السلطان الاعظم سلطان الدولہ"[۱] کے لقب سے چہارشنبہ ۱۴ شوال ۵۰۹ھ (۲۲ فروری ۱۱۱۶ء) مین تخت نشین ہوا، مسعود سعد سلمان نے ایک قصیدہ مین اس تخت نشینی کی تاریخ بتائی ہے جس کے بعض اشعار یہ ہین:

بعون ایزد شش روز رفتہ از شوال　　بر آمد از فلک دولت آفتاب کمال
گذشتہ پانصد و نہ سال تازی از ہجرت　　زہے مبارک ماہ و زہے مبارک سال
ابوالملوک ملک ارسلان بن مسعود　　کہ بحر کوہ وقارست و کوہ بحر نوال
چہ روز بود کہ پیش از زوال چشمۂ مہر　　مخالفان را شد عمر و جان بجا ز زوال
چہارشنبہ بود و چہار گوشۂ تخت　　گرفت نصرت و تائید دولت و اقبال[۲]

مسعود سعد سلمان کے ذیل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ بہرام شاہ اور ارسلان کے درمیان تکین آباد مین کچھ جنگ ضرور ہوئی:-

ز شاہ بنیم و لہاے اہل حضرت شاد　　ہزار رحمت بر شاہ و اہل حضرت باد
سپہ کشیدہ و آراستہ بداد جہان　　بدست حشمت بر کندہ دیدۂ بیداد
ابو الملوک ملک ارسلان بن مسعود　　خدایگان جہاندار شاہ شاہ نژاد

---

[۱] ملک ارسلان کے سکون مین یہ القاب کندہ ہین، (تاریخ الیٹ جلد دوم صفحہ ۴۸۳) لیکن روجرس کی کتاب (حصہ چہارم صفحہ ۱۶۰) سے معلوم ہوتا ہے، کہ سکون کے ایک رُخ مین "السلطان الاعظم ملک ارسلان" کندہ ہے اور دوسرے رُخ مین بیل کا سر بنا ہوا ہے، اور سنسکرت مین "شری سمنت دیو" لکھا ہوا ہے، ہم نے تانبے کے یہ سکّے پروفیسر محمود شیرانی کے یہان دیکھے ہین،

[۲] دیوان مسعود سعد سلمان مطبوعہ طہران صفحہ ۳۱۷-۳۱۸

بکامگاری بر دیدۂ زمانہ نشست   قدم زرتبت بر تارکِ سپہر نہاد

چہ روز بود کہ در بوتۂ سیاست او   عیار ملک بپالود خنجر پولاد

چہار شنبہ روزے کہ از چہارم چرخ   سوو ریخت ہمی مہر بر تکین آباد

زمین تو گوئی مر خصم ملک را بگرفت   بدان زمان کہ بر آمد ز طاغیان فریاد

گہے عزیمت کرد و گہے ہزیمت شد   چنان کہ باشد در پیش باز گرسنہ خاد

چہ منفعت ز عزیمت کہ آن نبود قوی   چہ فائدہ ز ہزیمت کہ آن نیافت نہاد[1]

ان اشعار میں بہرام شاہ کی شکست کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ تکین آباد مین دہی تھا، ایک دوسرے قصیدہ میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے :-

چو ابر نصرت بارید چرخ فصل خزان   بہار گشت ز ملک تو در تکین آباد

ز تیغ تیز تو فریاد کرد دشمن تو   ولیک آنجا سودے نداشت آن فریاد[2]

عثمان مختاری کے ذیل کے منتخب اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک ارسلان اپنی تخت نشینی پر اپنی حکمرانی کے لئے رے[3] بھی گیا تھا :

---

[1] دیوان مسعود سعد سلمان ص ۱۲۷، ۱۲۸، ان اشعار کے چھٹے شعر مین "چہارم چرخ" اور "مہر" اس رعایت سے ہین کہ وہ برج اسد مین ہین، اور ارسلان کے معنی بھی ترکی مین اسد کے ہین [2] ایضاً ص ۱۱۱، ۱۱۲، [3] روضۃ الصفا (جلد چہارم ص ۱۰۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ مودود (م ۴۴۰ھ ۱۰۴۸ع) کے زمانے سے غزنوی حکومت ہندوستان کے علاوہ غزنین اور کابل اور اطراف تک ہی محدود رہی، تاریخ بیہقی (ص ۱) سے معلوم ہوتا ہے، کہ غزنوی حکومت ۴۲۸ھ ۱۰۳۶ع ہی مین صرف غزنین تک محدود رہی، لیکن عثمان مختاری کے مذکورۂ بالا اشعار سے صاف واضح ہے کہ رے (طہران کے جنوب مین) بھی غزنوی سلطنت مین تھا، حالانکہ سمرقند وغیرہ سب سنجر کو خراج دیتے تھے، ورنہ گوشمالی کیجاتی تھی، (ملاحظہ ہو تاریخ ماوراء النہر بمبئی ص ۱۰۷)

بہمنجنہ ست خیز و می آر اے چراغ رے   تا بر جہنیم گوہر شادی ز گنج رے

در خدمت رکاب خداوند شرق و غرب   ذکرے دگر کنیم و جہانے کنیم رے

بنگر کہ تا دو مہ بچہ عدت بود سپاہ   سلطان ابو الملوک ملک ارسلان بہ رے

شاہے کہ در غنیمت ہندوستان مدام   رایان سند بخشد غلامان او زنے

شاہے کہ پیش افسر چون آفتاب او   تخت ملوک بوسہ دہد خاک را چو فے

روزے جلوس شاہ بگردون ندا رسد   کاے چرخ حق شاہ بحرمت گزار ہے

ہرنا جور کہ جز بمراد تو دم زند   با تیغ تو بر و نکند عقل حکم حے

شکر تو در دہان جہان باد چون شکر   اقبال پیش تخت تو بستہ میان چو نے

مے خور دنت موافق و شافی و طبع ساز   بہمنجنہ ات مبارک و مسعود و نیک پے[1]

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے، کہ ملک ارسلان نے شہر رے مین بہمنجنہ کے دن تخت نشینی کی، یعنی ماہ بہمن کی دوسری تاریخ کو جب کہ ایران مین ایک عید ہوتی ہے، اور جو مطابق ہوتی ہے ماہ فروری ۱۱۱۶ع یعنی شوال ۵۰۹ھ سے جب کہ وہ غزنین مین تخت نشین ہو چکا تھا، ہم اب بھی دیکھ چکے ہین، کہ بہرام شاہ اپنے والد مسعود سوم کی وفات کے وقت تکین آباد مین تھا، وہان سے وہ سیستان گیا، اس کے ساتھ بقول محمد عوفی[2] ایک ہی خادم تھا، انھون نے اپنے گھوڑون کے نعل الٹے لگوائے تھے، تاکہ دشمن ان کی روانگی کو نہ سمجھ سکے، سیستان ہوتا ہوا بہرام شاہ کرمان پہنچا جہان ارسلان شاہ بن کرمان شاہ بن قاورد (م ۵۳۶ھ ۱۱۴۲ع)[3] نے

---

[1] مونس الاحرار قلمی ص ۹۱ حبیب گنج [2] تاریخ الیٹ جلد ۲ ص ۱۹۹، اس وقت سیستان مین سنجر کا بہنوئی تاج الدین (شوہر صفیہ) حکمران تھا، لیکن تاریخ نہیں بتاتی، کہ اوس نے اس وقت بہرام کی مدد کی تھی [3] مجمل فصیحی (ورق ۱۶۴ الف) نے اس کی تاریخ وفات ۵۳۶ھ ۱۱۴۱ع لکھی ہے، لیکن تواریخ آل سلجوق

بقول محمد بن ابراہیم "اورا (بہرام شاہ را) بجز دار ہا زر داد وچندان عطا کرد کہ در حوصلۂ انسانی گنجائی نداشت و گفت چون سلطان اعظم سنجر بر مسند سلطنت است ترک ادب است مرا لشکر دادن والّا بر انچہ مقدور بود تقصیر نمی کردم ویکے از امرای حضرت در خدمت بہرام شاہ بپایۂ سریر سنجری فرستادہ استدعاے اعانت بہرام شاہ کرد......"[1]

حضرت سنائی نے ۵۲۵ھ/۱۱۳۱ء میں بھی کرمان کی اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بہرام شاہ کی ابتدائی حالت کو اس طرح بیان کیا ہے :-

مثل ابتداے دولت شاہ	ہست چون یوسفؑ و برادر و چاہ
گرچہ زاخوان ہوان رسید اورا	کار محنت بجان رسید اورا
آخر الامر عالم و شہ شد	بر سپہر شرف خور و مہ شد
نہ چو رہ رفتنش نیاز آمد	منہزم رفت و شاہ باز آمد
بے زیان بازگشت سوے مکان	خود زسیر آفتاب راچہ زیان
روے بخشش ازان بکرمان کرد	تا عدو را غذاے کرمان کرد[2]

چنانچہ کرمان سے بہرام شاہ، سنجر کی خدمت میں پہنچا، اور آخر کار اسکی اعانت سے بہرہ ور ہوا، اسکی تفصیل آداب الحرب (ص ۳۲-۳۴) میں ہے، اسکے علاوہ کچھ اور مواد ہے جسکو انشاء اللہ تاریخ بہرام شاہ میں مہیا کرینگے،

(باقی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۹) کرمان (از محمد بن ابراہیم برلن ۱۸۸۶ء ص ۲۵) میں ۵۳۶ھ/۱۱۴۲ء ہے، یہ بادشاہ بھی عثمان مختاری کا ممدوح تھا، جسکی مدح میں ایک بہت اچھا قصیدہ اس شاعر نے اس مطلع سے شروع کیا ہے :-

رفتم براہ غزنین بر تب آہنیں . خفتم بحد کرمان بر آتشیں سراب (ملاحظہ ہو مجموعہ قصائد فارسی ۲/۲۵ ص ۲۰ حبیب گنج)

[1] تاریخ آل سلجوق کرمان ص ۲۶ [2] حدیقہ طبع لکھنؤ ص ۶۳۸ و ص ۶۴۲، سنائی کے متعلق ڈاکٹر ایتھے نے بوڈلین لائبریری کی فہرست صفحہ ۴۶۲ میں بحث کی تھی، پھر علامہ سید سلیمان ندوی نے نہایت تفصیل سے معارف مارچ ۱۹۳۳ء میں بحث کی ہے مجھے بھی ایک نہایت اہم ماخذ اسکے متعلق ملا ہے جو انشاء اللہ آیندہ کبھی پیش کیا جائیگا،

تلخیص وتبصرہ

خانانِ سیراوردہ

(۶۲۲ھ/۱۲۲۴ء سے ۹۰۷ھ/۱۵۰۲ء تک)

(۲)

جوجی خان چنگیز خان کے سب سے بڑے فرزند کو وہ قبائل باپ سے ورثہ میں ملے تھے جو جال کی مفتوحہ سلطنت قراخطای کی حدود میں خانہ بدوشی کرتے تھے، سلطنت قراخطای کا موقع دریائے سیحون (سیر) کے شمال میں تھا، اور یہیں جوجی باپ سے کچھ دنون پہلے فوت ہوا، جوجی کے مرنے پر اس کا سب سے بڑا فرزند اوردہ باپ کا جانشین ہوا، لیکن اوردہ سے ایک چھوٹے بیٹے باتو نے یورپ پر فوج کشی کرکے اپنے محکوم قبیلون کی تعداد مین مغرب میں دور تک کے قبیلون کو شامل کرکے بڑا اضافہ کرلیا، اور خود ملک قپچاق کا جہان سے ترکون کا عمل دخل تھا، بادشاہ ہوگیا،

باتو کی اس سلطنت کے شمال مین بلغاریہ عظمیٰ کا ملک واقع تھا، جو باتو کے ایک دوسرے بھائی توقا تیمور کے حصہ میں آیا تھا، بلغاریہ عظمیٰ کے علاقہ مین دریاے وولگا کی بالائی گذرگاہ سے ملحق زمینین واقع تھین، جوجی خان کا ایک اور بیٹا شیبان اُن کوہستانون پر حکومت کرتا تھا، جو آجکل کوہستانِ قرغز قزق کہلایا جاتا ہے، یہ کوہستان شیبان کے بڑے بھائی اوردہ کے محکوم قبائل کے شمال میں تھے، جوجی خان کا پانچوان بیٹا تیول قبائل پچنیک (پی چی نیک) پر حکومت کرتا تھا، پچنیک کا

نام بعد کو توغای ہوگیا، یہ قبیلے دریاے یابق (یورال) اور دریاے ومبہ کی درمیانی زمینون مین خانہ بدوش رہتے تھے، مگر یہ جس قدر قبائل اوپر بیان ہوئے، اور اس کے سردار سب کم وبیش خاندان باتو کے محکوم تھے، باتو گو جوجی خان کا سب سے بڑا بیٹا نہ تھا، مگر قوت واقتدار مین وہ سب سے بڑھا ہوا تھا، قبچاق اوس نے دریاے وولگہ (اتیل) کے کنارے یورپ کی حدود مین ایک عالیشان شہر تعمیر کیا، جس کا نام سراے تھا، اور اوسے مملکت جوجی کا پایہ تخت قرار دیا، اور جس قدر قبیلے اوس کے زیرنگین تھے، وہ سب قبائلِ سرادردہ کہلائے جانے لگے، یہ نام اس وجہ سے پڑا تھا، کہ باتو خان کا شاہی خیمہ جوزری وزربفت کا تھا، اوسے مغلی زبان مین سرادردہ کہتے تھے، (سیر سونا، اوردہ - خیمہ)

یہان یہ بیان کرنا ضروری ہے، کہ صرف شاہی خاندان اور فوج کے اعلیٰ افسر اور سردار تو مغل نسل کے لوگ ہوتے تھے، لیکن اکثر قبیلے جو جوجی خان کے بیٹون کے حصہ مین آئے تھے، وہ مفتوح ترک وترکمان تھے، جوجی خان کے گھرانے کو حسب ذیل شقون مین بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

(الف) باتو خان کا سلسلہ اس سلسلہ مین وہ خانانِ سیر اُردہ ہین جو مغربی قبچاق کے قبائل کوک اوردہ پر حکومت کرتے تھے، یہ حکومت ان کی ۱۲۲۴ء سے ۱۳۵۰ء عیسوی تک قائم رہی، (ب) اوردہ کا سلسلہ، اس سلسلہ کے سردار خاندان مین نام کے رئیس تھے، ان کی حکومت مشرقی قبچاق مین قبائلِ آق اوردہ پر ۱۲۲۰ء سے ۱۴۲۸ء تک رہی اور مغربی قبچاق مین جب کہ باتو کی اولاد باقی نہ رہی، ۱۳۷۸ء سے ۱۵۰۲ء تک وہ خان ہوتے رہے، اور آخر کار وہ قوت مین گھٹتے گھٹتے وہ خانان استراخان رہ گئے جنکی حکومت ۱۴۶۶ء سے ۱۵۵۴ء تک رہی، (ج) توقا تیمور کا سلسلہ، توقا تیمور جوجی خان کا بیٹا تھا، اس سلسلے مین خانانِ بلغاریہ عظمیٰ ہوئے، بلغاریہ عظمیٰ کا ملک قبچاق کے شمال مین واقع تھا، اسی توقا تیمور کے سلسلے سے مغربی قبچاق کے خانان بھی ہوے ہین، آخر کار اس توقا تیمور سے خانانِ قازان بھی ہوئے، جن کی حکومت ۱۴۳۸ء سے ۱۵۵۲ء تک رہی اور اسی سلسلہ

توقا تیمور سے خانانِ قاسیموف تھے، جو ۱۴۵۰ء سے ۱۶۸۱ء تک صاحب حکومت رہے، اور اسی سلسلہ توقا تیمور سے خانانِ قرم (کریمیا) مین ہوئے جو ۱۴۲۰ء سے ۱۷۸۳ء تک حکومت کرتے رہے،

(د) شیبان پسر جوجی کا سلسلہ، شیبانی خانون کی حکومت ازبکون یا جن کا دوسرا نام قزغز قزاق تھا، ان کے کوہستانون مین رہی (۱۲۲۴ء سے ۱۲۵۹ء تک) بعد کو شیبان کے محکوم قبیلون نقل مکان کیا، اور پھر خیوہ اور بخارا کے خانان بھی اسی شیبانی سلسلہ سے ہوے، (ان کا زمانہ ۱۵۰۰ء سے ۱۸۶۲ء تک رہا) اب ہم الف ج د کی تفصیل حسب ذیل کرتے ہین:

(الف) باتو پسر جوجی کا سلسلہ:- اس سلسلہ سے سیراوردہ کے خانان ہوئے، ان خانون کے زیرنگین مغربی قبچاق[1] کے قبائل کوک اوردہ تھے، جن کا زمانہ حکومت ۱۲۲۴ء سے ۱۳۵۹ء تک رہا، یہ بات باتو کے سلسلۂ خانان کو نصیب ہوئی، کہ وہ مغرب کی اس خانیت پر حکومت کرے، جسے ہم وثوق کے ساتھ مغرب کی خانیت بزرگ کہہ سکتے ہین، (یورپین نظر سے دیکھا جائے) تو اس خانیت کی اس وجہ سے اہمیت حاصل ہے، کہ انہی خانون کے باہمی نفاق سے اوس کو اپنی سلطنت کے وسیع کرنے کا موقع مل گیا، شروع مین باتو خان کی اولاد مختلف ریاستہاے روس کی حاکم ومختار تھی، ان روسی ریاستون سے

---

[1] مغربی قبچاق کہان تھا؟ مغربی قبچاق سے مراد وہ ملک ہے جو (یورپ مین) دریاے ڈون (Don) سے دریاے (Volga) یعنی آب اتیل سے سیراب ہوتا ہے، شرقاً غرباً وہ دریاے (Ural) یابق سے دریاے نیپر (Dnieper) تک اور شمالاً جنوباً بحر اسود سے اور بحر خزر سے لیکر یوکگ کے مقام تک ہے، یوکگ (Ukek) شہر ساراٹوف (واقع یورپین روس) سے نو میل کے فاصلہ پر ہے، (غرض مغربی قبچاق کا زیادہ تر حصہ یورپ مین پڑتا ہے، اور کچھ حصہ مغربی ایشیا میں) دیکھو ہوورتھ کی تاریخ مغول دوسری جلد صفحہ ۳۶ سے صفحہ ۱۹۷ تک، نقشہ دیکھنے سے قبچاق مغربی کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے،

سیر اوردہ کے خانان خراج وصول کرتے تھے، ان کی بیٹیوں سے شادیاں کرتے تھے، پھر تقدیر نے وہ پلٹا
کھایا، کہ یہی خانون کی اولاد روسیوں کی محکوم و باجگذار بن گئی، غرض جو کبھی حاکم تھے، وہ محکوم ہوگئے،
لیکن مغرب کی خانیت بزرگ کی یہ حالت اوس وقت ہوئی جب کہ باتو خان کی اولاد ختم ہو چکی تھی، اور
باتو خان کے بھائیون کی اولاد مغرب کی خانیت پر بیٹھنے لگی تھی ، جب تک باتو کی اولاد مین خانیت
رہی، تو قپچاق مین مغلون کی قوت کو پورا عروج رہا، باتو کی اولاد مین جانی بیگ خان تک جو دس خان
گذرے، انکی تاریخ بمقابلہ دیگر شاخون کے بالکل صاف ہے، لیکن جانی بیگ خان کی موت پر جو
۱۳۳۰ء میں واقع ہوئی، حکومت میں ابتری پڑی جانی بیگ کے فرزند بردی بیگ نے صرف ۲ برس حکومت
کی، جانی بیگ کے دو بیٹے جو جانی بیگ کو اپنا باپ کہتے تھے، ایک ہی سال تخت نشین ہوئے، اس کے
بعد بیس برس کا زمانہ بڑی پیچیدگیون کا آتا ہے، جس میں ایسے خانان تخت پر بیٹھے، جن کے حریف
مسند خانی کے لئے موجود تھے،

جوجی خان کے پانچ بیٹے تھے، جب باتو خان کی اولاد باقی نہ رہی، تو باقی بھائیون کی اولاد
مین خانیت قپچاق مغربی کے لئے دعویدار پیدا ہوتے رہے، شمال مین بنحاریہ عظمی کے خانون کا سلسلہ اور
جنوب مین خانان قرم (کریمیا) سلطنت کرتے تھے، اور یہ سب قرابوقا پسر جوجی کی اولاد سے تھے،
جنوب مین قفقاز کا ملک تھا، یہان ترک اور کومہ کے دریاؤنکے کنارے برکہ خان کے قبائل اپنے ڈیرے
ڈالتے تھے، برکہ خان باتو خان کا چھوٹا بھائی تھا، اور باتو کے بعد وہی باتو کا جانشین ہوتا، اور اس
برکہ خان کی صولت و جلالت کی وجہ سے سیر اوردہ کو وہ اقبال و اختیار نصیب ہوا تھا، جس سے روس کی ریاستون
مین ہر وقت خوف اور دہشت طاری رہتی تھی، خانیت سیر اوردہ کے مشرق مین آق اوردہ کے قبائل
تھے، ان قبیلوں کے خان اوردہ پسر جوجی کی اولاد سے ہوتے تھے، اور مشرق ہی مین شمال کی طرف ازبکون کے
قبیلے تھے، جن کے خان شیبان پسر جوجی کی اولاد سے ہوتے تھے، اور مشرق میں شمال کی طرف ازبکون

کے قبیلے تھے، جن کے خان شیبان پسر جوجی کی اولاد سے ہوا کرتے تھے، بحر خزر کے شمال ساحل پر توغای
کے قبیلے اپنے مویشی چراتے تھے، اس زمانے کے پندرہ خانون کی فہرست جو ہم آگے درج کرینگے،
وہ کسی قدر قیاس پر مبنی ہے، لیکن ہم نے ان کے زمانہ ہاے حکومت کی تصدیق سکون سے کر لی ہے،
۱۳۷۸ء مین خانیت سیر اوردہ کی حکومت جوجی کے سب سے بڑے فرزند اوردہ کی اولاد سے توقتمش
کے قبضے مین چلی گئی،

(ب) اوردہ پسر جوجی کا سلسلہ، اس سلسلہ کے محکوم قبائل مشرقی قپچاق[1] کے قبائل آق اوردہ
تھے، (زمانہ ۱۲۲۶ء تا ۱۴۲۸ء) اوردہ کی اولاد سے کبھی کبھی مغربی قپچاق کے خان ہوئے ہیں
(زمانہ ۱۳۷۸ء تا ۱۵۰۲ء) انہی سے خانان استراخان ہوئے، جن کا زمانہ حکومت ۱۴۱۶ء سے ۱۵۵۴ء
رہا، گو جوجی کی اولاد میں باتو سب سے زیادہ صاحب قوت و اقتدار تھا مگر جوجی کے بڑے فرزند اوردہ کو وہ قبائل
ملے تھے، جو جوجی کو چنگیز خان نے دئے تھے، یعنی وہ قبیلے جو دریاے سیحون کے علاقون مین خانہ بدوش
رہتے تھے، یہ قبیلے اوردہ پسر جوجی کو اپنا موروثی حاکم سمجھ کر خاص طور پر اس کے اطاعت گذار تھے، سیر اوردہ
کا دایان بازو کوک (نیلا) اوردا اور بایان بازو اق اوردا یعنی سپید رنگ والا اوردا کہلایا جاتا تھا، کوک
(نیلے) کو آق سفید پر ترجیح ہوتی تھی، یا یون سمجھئے کہ باتو کے قبیلے جو کوک اوردا کہلائے جاتے تھے، وہ
بڑے بھائی کے قبائل پر مرجح سمجھے جاتے تھے، یہ کوک کا لفظ اس کے نام کے ساتھ اس لئے تھا، کہ

---

[1] مشرقی قپچاق سے مراد وہ علاقہ ہے، جو دریاے سیحون کی بالائی گذرگاہ یعنی دریا کے سرچشمون سے ملحق
ہے، اور یہان سے لیکر الغ تاغ اور کوچک تاغ کے پہاڑون تک چلا گیا ہے، مغرب مین اسکی سرحد
باتو کے کوک اوردہ قبائل سے شمال مین شیبان کے قبائل ازبک سے اور مشرق مین جغتای خان کی خانیت
سے ملتی تھی، اور جنوب مین دشت قزل قم اور اسکندروف کا پہاڑی سلسلہ تھا،
(ہوورتھ جلد ثانی صفحات ۲۱۶-۲۵۲)

وہ ایک طور پر آق اوردا کے زیر دست تھے، آق اوردہ چونکہ دور بحر خزر سے بھی پرے کے کاہستانون میں خانہ بدوش رہتا تھا، اس وجہ سے آق اوردا نے کوک اوردا کے سامنے سر جھکا دیا، جو دریاے دون اور وولگا (اتیل) والی زمینون مین رہتے تھے، لیکن آق اوردا چونکہ برفستانی ملک مین خانہ بدوش رہتے تھے، اسلئے وہ زیادہ سختیان جھیلنے کے خوگر ہو گئے تھے، آخر کار انھون نے اپنے سردارون کو باتو کی زیادہ مہذب مگر کمزور اولاد پر خان بنا دیا، آق اوردہ کے پہلے حکمرانون کا حال بہت کم معلوم ہے، صرف اتنا علم ہے کہ اوش خان کے بعد ان کا بیٹا ہمیشہ خان ہوتا رہا، اور جس بڑے واقعہ کا حقیقت مین علم ہے وہ کوچی سیر اوردہ کے دور حکومت میں غزنہ اور بامیان دو بڑے مقام جو جغتائی خان کی یا ایل خانانِ ایران کی بادشاہی مین تھے، اون پر کوچی قابض تھا، اور دس خان اوردہ پسر جوجی کی اولاد مین پہلا خان ہے، جسے اوردہ کے سلسلۂ خانان مین کسی قدر خصوصیت حاصل ہے اوردہ خان نے امیر تیمور گورگان کی فوجون کو ایک مرتبہ سے زیادہ شکست دی، تیمور گورگان نے زعم جہانداری مین جوجی کے محکوم قبیلون پر اوردہ کے خاندان سے ایک شخص توقتمش کو سردار بنا دیا، توقتمش کا باپ ایک معرکہ میں مارا گیا تھا، اور خود توقتمش کو اوردس خان نے جلا وطن کر دیا تھا، امیر تیمور نے توقتمش کی کچھ فوج سے مدد کی تاکہ اوردس خان سے مقابلہ کرکے جس سرداری پر تیمور نے اوسے نامزد کیا ہے، اوسے حاصل کرے، توقتامیش[1] نے کئی مرتبہ اوردس خان سے ہزیمتین اٹھائین، اور جب تک اوردس خان مر نہ گیا، اوردس کے فرزند توقتکیہ نے کچھ دنون بعد باپ کے بعد حکومت نہ کر لی، اوس وقت تک توقتامیش اوردس خان کے دوسرے بیٹے کے ہاتھ سے آق اوردہ کی حکومت نہ چھین سکا،

حقیقت یہ ہو کہ سیر اوردہ کی تاریخ مین توقتامیش آخری باعظمت سردار ہے، جب

---

[1] فارسی تاریخون میں توقتمش آتا ہے، مگر یورپین تاریخیں اس نام کو توقتامیش لکھتی ہین،

آق اوردہ کے تختِ حکومت پر وہ بیٹھ گیا، تو پھر اوس نے مغربی قبچاق پر فوج کشی کی، اور دار الحکومت سرائے میں ماماے کو شکست دی، جو وہان شاہ ساز بنا ہوا تھا، توقتامیش کو یہ فتح ۱۳۷۰ء میں حاصل ہوئی تھی، اس فتح نے آق اوردہ اور کوک اوردہ میں جو نزاع مدت سے چلا آتا تھا، اس کا خاتمہ کر دیا، اب مشرقی اور مغربی قبچاق ایک ہی شخص کے تحت ہو گیا، اور اس وقت سے اوردا پسر جوجی کی اولاد نے کوک اوردا پر حکومت کرنی شروع کر دی، اور اپنے ہمراہ مشرقی قبچاق کے بہترین لوگون کو مغربی قبچاق میں لے آیا، جب آق اوردہ کی زمینین اس طرح خالی ہوئین، تو شیبان پسر جوجی کی اولاد ان زمینون مین اپنے خیمے نصب کرنے لگی، توقتامیش کے دورِ حکومت مین سیر اوردہ نے بہت کچھ اپنی گئی گذری شان پھر حاصل کر لی اور پھر اس کا اقبال قائم ہونے لگا، توقتامیش نے روس پر فوجکشی کی، موسکو کا محاصرہ کر لیا، اور وہان آگ لگا دی (۱۳۸۲ء) اور موسکو کے صاحبِ اقتدار علاقے کو لوٹا اور غارت کیا، پہلے زمانے کے مغلون کی تاخت و تاراج کا نمونہ پھر شروع کر دیا، اور خانانِ سیر اوردا کی پہلی سی شان وعظمت پھر پیدا کر لی، لیکن اس وقت پرانی شان وشوکت پھر زندہ کرنا، ایک عارضی فعل تھا، توقتامیش کی یہ بدقسمتی سمجھئے یا محسن کشی تصور کیجئے کہ وہ امیر تیمور گورگان سے لڑ پڑا، جس نے سابق مین اسکی مدد کی تھی، امیر تیمور ہی کی مدد اور استعانت سے توقتامیش کو کامیابی نصیب ہوئی تھی، اور اپنے ہی محسن سے وہ لڑ پڑا، اور گستاخانہ طریقہ سے اسکے ساتھ پیش آیا کہ کسی کی ہمت تیمور کے ساتھ ایسی گستاخی کرنے کی نہ ہوئی تھی، چنانچہ تیمور نے دو موقعون پر ایک ۱۸ جون ۱۳۹۱ء مین مقام ارتوبہ پر اور دوسری دریاے تیرک کے کنارے جب کہ ۱۳۹۵ء مین توقتامیش جلا وطنی سے واپس ہو رہا تھا، ایسی سخت شکست دی جس نے خانانِ قبچاق کی قوت کو بالکل ہی توڑ دیا۔

یہ سچ ہے کہ امیر تیمور کے واپس چلے جانے پر توقتامیش ۱۳۹۸ء میں پھر دار الحکومت

سرا ے میں واپس آگیا، مگر تیمور قتلغ نے جو اوس کے پرانے دشمن اوردس خان کا بیٹا تھا، جلد توقتامیش کو وہان سے نکال دیا، اب توقتامیش مجبور ہوکر لیتھوانیا کے بادشاہ وی توت کے پاس چلا گیا، یہان آکر توقتامیش نے وی توت بادشاہ لیتھوانیا کو تاتاریون سے لڑوا دیا، یہانتک کہ سنہ ۱۴۰۶ء مین توقتامیش کا انتقال ہوگیا،

توقتامیش کے زوال پر جو زمانہ آیا، وہ سیراوردہ کی تاریخ مین بہت ہی پیچیدہ اور تاریک ہے، تخت سرا ے کے مختلف مدعیون کی باہمی کشمکش ہوتی رہی، معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم تین گھرانے ایسے تھے جن کے لوگ سیراوردا کی خانیت حاصل کرنا چاہتے تھے، ان مین ایک گھرانا اوردس خان کا تھا، جس کی مدد پر توغای کا سردار اید گو ہمیشہ کمربستہ رہتا تھا، یہ توغای سردار اید گو گویا ممای کے بعد دوسرا شاہ ساز سرا ے مین پیدا ہوا تھا، دوسرا گھرانا توقتامیش کا تھا، جیکے فرزند خانی کے متمنی تھے، تیسرا گھرانا شیبان کے خاندان کے نوجوان ارکان تھے، آگے جو فہرست خانون کی ہم نے دی ہے، اس سے اس پریشان زمانی کا اندازہ ہوسکتا ہے، بعض موقعے ایسے آئے کہ دو دو آدمی ایک ہی وقت مین سرا ے پر خانی کرتے تھے، بلکہ بعض شہرون کے ایک ہی وقت مین دو دو مالک ہوتے تھے، شہر سرا ے اور دوسرے بڑے شہرون کی کیفیت آئے دن کے محاصرون اور قبضون کے سوا کچھ نہ تھی، اور یہی اختتام ہوگیا، سیراوردہ کی باعظمت تاریخ کا، آخر کار روس کی سلطنت نے سنہ ۹۰۸ھ مطابق سنہ ۱۵۰۲ء مین سیراوردا کے علاقون پر اپنا قبضہ کرلیا، اب سیراوردا کی تاریخ کے چند ٹوٹے ہوے ٹکڑون کے حالات لکھنے باقی رہ گئے ہین، ان ہی ٹکڑون مین ایک خانیت استراخان کی تھی جس پر اوردہ پسر جوجی کی اولاد نے حکومت کی، اس خانیت کا بانی ایک شخص قاسم نامی تھا، اوس نے سنہ ۱۴۶۶ء مین اس مختصر سی خانیت کی بنا ڈالی، اور اسی قاسم کے خاندان میں سنہ ۱۵۵۴ء تک خانیت رہی، پھر موسکو کے رئیس اعظم نے اس خاندان کو معزول کردیا،

خانان سیراوردہ یعنی مغربی قپچاق کا کوک اوردہ یعنی باتو کا خاندان، باتو (سنہ ۶۴۱ھ ۱۲۴۴ء) سرتاق (سنہ ۶۵۴ھ ۱۲۵۶ء) منگو تیمور (سنہ ۶۶۴ھ ۱۲۶۶ء) تودا منگو (سنہ ۶۷۹ھ ۱۲۸۰ء) تولا بوغا، (سنہ ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء) توقتو (سنہ ۶۸۹ھ ۱۲۹۰ء) ازبگ (سنہ ۷۱۲ھ ۱۳۱۲ء) تینی بیگ (سنہ ۷۴۱ھ ۱۳۴۰ء) جانی بیگ محمود (سنہ ۷۴۱ھ ۱۳۴۰ء) بردی بیگ محمد (سنہ ۷۵۸ھ ۱۳۵۷ء) قولپا (۱۳۵۹) نوروز بیگ (سنہ ۷۶۰ھ ۱۳۵۹ء) باتو خان کے بھائیون کی حسب ذیل اولاد سیراوردا کی خان ہوئی، شیبان کی اولاد سے خضر (سنہ ۷۶۰ھ) مرداد (سنہ ۷۶۲ھ) پولاد خواجہ (سنہ ۷۶۳ھ سے سنہ ۷۶۰ھ تک) تولون بیگ (سنہ ۷۶۲ھ) الیان سنہ ۷۷۵ھ) خانخان (سنہ ۷۷۷ھ) عرب شاہ (سنہ ۷۷۹ھ) اوردا کی اولاد سے تیمور خواجہ، مرید خواجہ، قتلغ خواجہ، عبد اللہ (سنہ ۷۶۴ھ) محمد بولاق (سنہ ۷۷۱ھ) توقا تیمور کی اولاد سے کلدی بیگ (سنہ ۷۶۲ھ) عزیز شیخ (سنہ ۷۶۴ھ) حسن (سنہ ۷۶۸ھ) سنہ ۱۳۶۷ء میں مغربی قپچاق کی حکومت آق اوردا کے قبضہ مین چلی گئی، مشرقی قپچاق کے خانان آق اوردا یعنی اوردا پسر جوجی کے گھرانے مین جو خان ہوے وہ یہ ہین، اوردا (سنہ ۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء) کوچی (سنہ ۶۷۹ھ ۱۲۸۰ء) بایان (سنہ ۷۰۱ھ ۱۳۰۱ء) ساسی بوقا (سنہ ۷۰۹ھ ۱۳۰۹ء)، ایی سان (سنہ ۷۱۵ھ ۱۳۱۵ء) مبارک خواجہ (سنہ ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء) چمتائی (سنہ ۷۴۵ھ ۱۳۴۴ء) اوردس (سنہ ۷۶۲ھ ۱۳۶۱ء) توق تکیا (سنہ ۷۷۷ھ ۱۳۷۵ء) توقتامیش غیاث الدین (سنہ ۷۷۸ھ ۱۳۷۶ء) اس آخری خاندان نے کوک اوردا اور آق اوردا کو شامل کرکے ایک کردیا،

خاندانہاے حریف یعنی آق اوردا کی خانی کے لئے خاندان اوردا اور خاندان شیبان کے لوگ جو دعویدار ہوے، ان کی تفصیل یہ ہے، خاندان اوردا سے تین خاندان قائم ہوئے یعنی

(۱) توقتامیش کا خاندان جس مین خانی کے دعویدارون کے نام یہ ہین، بیگ پولاد (سنہ ۷۹۳ھ) جلال الدین (سنہ ۸۱۴ھ) کریم بردی (سنہ ۸۱۵ھ) کبیک (سنہ ۸۱۶ھ) جبار بردی (سنہ ۸۱۸ھ)

(۲) دوسرا خاندان اوردس کا تھا جس سے حسب ذیل دعویدار پیدا ہوئے، تیمور قتلغ سنہ ۷۹۷ھ شادی بیگ سنہ ۸۰۲ھ پولاد سنہ ۸۱۰-۸۱۵ھ، تیمور از سنہ ۸۰۶ھ تا سنہ ۸۱۸ھ، چکرا سنہ ۸۱۵ھ،

کوچک محمد ۸۱۰ھ ...... ۸۶۴ھ، محمود ۸۶۴ھ، احمد ۸۶۴ھ، سید احمد، مرتضیٰ، شیخ احمد
۸۸۶ھ (۳) تیسرا مشرقی قپچاق کا سلسلہ جو توری چاک سے چلا، بوراق ۸۲۳ھ (اس نے
مغربی قپچاق کے ایک حصہ پر قبضہ کرلیا ۸۲۷ھ خاندان توقاتیمور، دولت بردی (بوراق
کی عدم موجودگی مین) خاندان شیبان سے صرف دو دعویدار پیدا ہوئے، درویش اور سید احمد،

سائینس

(انجمن ترقی اردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ)

اگست ۱۹۴۱ء کے چند مضامین

(۱) سائنس (۲) حیوانون کی گرمائی اور سرمائی نیند (۳) ہمارے دانت (۴) دوران خون (۵) اوزان اور پیمانون کی معیار بندی

ستمبر ۱۹۴۱ء کے چند مضامین

(۱) حیدرآباد مین سلفیورک ترشہ اور دوسری اہم کیمیائی اشیاء کی صنعتی تیاری کے امکانات (۲) ہنسی (حیاتیات کی روشنی مین) (۳) ہماری آنکھیں، (۴) جابر ابن حیان (۵) ہوائی حملہ اور ...

یہ رسالہ ملکی زبان مین سائنس کا واحد رسالہ ہے، جس میں مختلف مضامین کے علاوہ ہر ماہ دلچسپ معلومات، سائنس سے متعلق سوال و جواب، سائنس اور صنعت سے متعلق تازہ ترین خبرین اور نئی کتابون پر تبصرے شائع ہوتے ہین، رسالہ میں متعدد بلاک بھی شائع ہوتے ہین، امید ہے کہ علم کے شائقین اور اردو زبان کے بہی خواہ سرپرستی فرمائین گے،

اشتہارات کے نرخ طلب کئے جاسکتے ہین،

چندہ سالانہ، پانچ روپیہ سکہ انگریزی، نمونہ کا پرچہ آٹھ آنہ،

المشتہر معتمد مجلس ادارت رسالہ سائنس جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

اخبار علمیہ

ہوور لائبریری

اسٹینفورڈ یونیورسٹی (ریاستہائے متحدہ امریکہ) مین مندرجۂ بالا نام سے گذشتہ جون مین ایک کتب خانہ قائم ہوا ہے، جس مین جنگ، صلح، بغاوت اور انقلاب کے متعلق لٹریچر کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے، کہ دنیا کے کسی کتب خانہ مین نہیں پایا جاتا، اس مین موجودہ دنیا کی معاشرت اور سیاست پر بھی کافی ذخیرہ ہے، کتب خانہ کے بانی ہربرٹ ہوور سابق صدر ریاستہائے متحدہ امریکہ نے پچیس سال کی مسلسل اور شدید محنت کے بعد یہ ذخیرہ جمع کیا ہے، اس مین مختلف سلطنتون، حکومتون، وزارتون، سیاسی محکمون اور ادارون انقلابی مجلسون، جاسوسون، سیاسی سازش کرنے والون، قاتلون اور غدارون کے بہت سے ایسے پوشیدہ اور رازدارانہ کاغذات ہین، جو بیسوین صدی کی معاشرتی اور سیاسی تاریخ کے مطالعہ کے لئے بیحد معاون ہین، کہا جاتا ہے کہ اس قسم کے کاغذات فرانس، انگلستان اور جرمنی کے کسی کتب خانہ مین نہیں مل سکتے، ہوور کو اس قسم کے کتب خانہ کو قائم کرنے کا خیال ۱۹۱۴ء میں اسطرح پیدا ہوا، کہ اس نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ انقلاب فرانس کے زمانہ کا لٹریچر زیادہ تر برباد ہوگیا، یہ پڑھکر وہ متاثر ہوا، کیونکہ اس کا خیال ہے کہ کسی زمانہ کی حقیقت جنگی تاریخون کے بجائے معاشرتی اور سیاسی کاغذات سے زیادہ منکشف ہوتی ہے، اس کا یہ بھی خیال

کہ موجودہ دور کی کش کش کے مقابلہ مین انقلاب فرانس کی اہمیت کچھ زیادہ نہیں ہے، اسی لئے موجودہ دور کے متعلق ہر قسم کا لٹریچر جمع کرنا شروع کیا، اور اس کے لئے اس نے پندرہ اساتذہ اور طلبہ کو مختلف ملکون مین بھیجا، جہان ان کو اتنے کاغذات ملے، کہ ہوور نے ان کو کئی جہاز پر لاد کر اپنے یہان منگوایا، جرمنی سے کاغذات پندرہ چھکڑون پر آئے، ان کاغذات مین جرمنی کی جنگی پالیس کے بہت سے راز ہین، مگر ہوور نے انھیں بھی اس وعدہ پر حاصل کر لیا، کہ یہ کاغذات تیس سال تک سر بمہر رہین گے، روس سے پچیس چھکڑے کاغذات آئے، ان مین سوویٹ روس کے ضلعون، شہرون اور قصبون کی پوری جزوی تفصیلات ہین، ہنگری مین سوویٹ انقلاب ہوا، اور یہان سوویٹ حکومت ختم ہوگئی، تو اس انقلاب مین حکومت کے سارے کاغذات ہوور کے ایک نمایندہ کو مل گئے، جس نے ان کو امریکہ کے سفارتخانہ مین محفوظ کر دیا، ہنگری کی دوسری حکومت نے ان کاغذات کو واپس لینا چاہا، تو ہوور نے اس شرط پر ان کو واپس کئے، کہ ان کی عکسی تصویر لینے کی اجازت دیدیجائے،

اس کتب خانہ مین ساٹھ حکومتون کے سرکاری کاغذات کی پچیس ہزار جلدین ہین، تینتیس ملکون کی اسی ہزار کتابین اور رسالے ہین، چھپیس زبانون کے ایکہزار سات سو چوبیس اخبارات ہین، پہلی جنگ عظیم کے دو ہزار ساٹھ سرکاری نقشے ہین، تصویرون، سکون، اشتہارون، پوسٹرون، تمغون کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے، تین سو سربمہر ذخیرے ایسے ہین، جو ابھی کئی سال تک اسی طرح بند رہین گے، ایک بڑے ٹرنک مین دنیا کی ایک بہت مشہور جاسوس عورت کے سارے کاغذات محفوظ ہین، گمان ہے کہ یہ کاغذات ماتاہری کے ہون گے، جولیس سیزر کے بھی بہت سے کاغذات مل گئے ہین، امن اور صلح کی کانفرنسین جو مختلف اوقات مین منعقد ہوئین، ان کی بہت سی خفیہ دستاویزین بھی اس ذخیرہ مین موجود ہین، موجودہ جنگ عظیم کے سلسلہ مین

ہوور نے نازی ازم اور فاشزم سے متعلق بہت سے کاغذات حاصل کرئے ہین، اور وہ جہازون پر لادیئے گئے ہین، تاکہ جنگ ختم ہوتے ہی حفاظت سے کتب خانہ مذکور مین پہنچا دئے جائین، کتب خانہ مین ایک شعبہ پروپاگنڈا لٹریچر کا ہے، ہوور کا خود بیان ہے کہ یہ سارا لٹریچر بالکل جھوٹ، کذب اور افترا پر مشتمل ہے، اور اس کو اس بات پر تعجب ہے کہ صریح جھوٹ اور افترا سے عوام کے ذہن جس طریقہ سے پراگندہ مسموم اور بدظن کئے جاتے ہین، ان سے یہ بالکل بے خبر رہتے ہین، اس کتب خانہ کے لئے پچاس لاکھ ڈالر وقف ہین، اور اسٹینفورڈ یونیورسٹی سے بھی امداد ملتی رہتی ہے، اس کی عمارت کے اخراجات کا تخمینہ ساٹھ لاکھ ڈالر ہے، پوری عمارت ایک برج کی شکل کی ہے، جس مین سات منزلین ہین، اور عمارت کے کسی حصہ مین آفتاب کی روشنی نہیں پہونچتی ہے، بلکہ خوبصورت قندیلون کے ذریعہ سے ساری منزلین روشن رہتی ہین،

آفتاب پر پڑنے والی روشنی

سویڈن کے ایک ماہر طبیعیات نے آفتاب کی روشنی پر بعض دلچسپ تحقیقات کی ہین، فضائے بسیط مین آفتاب کی لہرین پانچ لاکھ میل تک بڑھکر پیچھے ہٹتی ہین، اور پیچھے ہٹ کر پھر آگے بڑھتی ہین، بعض اوقات ایک نامعلوم جگہ سے گیسون کے بادل نمودار ہو کر آفتاب کے اوپر چھاجاتے ہین، اور ان کے چھاجانے کے بعد روشنی کے جلتے ہوے شرارے آفتاب کی سطح کی طرف عقب سے پھر رجوع ہوتے ہین، ماہرین ہیئت کے لئے یہ چیز معما ہے، کہ یہ شرارے کہان سے نمودار ہوتے ہین، بعض ماہرین طبیعیات کا خیال ہے، کہ یہ شرارے آفتاب کے ہالے سے پیدا ہوتے ہین کیونکہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے، کہ ہالہ مین تقریبًا دو درجن غیر مشخص شعاعی لہرین موجود ہین، بعض ماہرین ہیئت کی رائے ہے، کہ وہ ایک نئے عنصر "کرونیم" کا پتہ دیتے ہین بعض علمائے سائنس کا

گمان ہے کہ وہ آکسیجن کی طرح روشنی کے عناصر ہین، جو طبیعی طور سے متلاطم اور مضطرب ہوتے ہین، مگر سویڈن کے مذکورۂ بالا ماہر طبیعیات بنگٹ ایڈلن (Bengt Edlen.) نے اپنی جدید تحقیقات سے ان مشکوک خیالات مین بہت سی نئی باتین پیدا کی ہین، اس کی تحقیق مین ہالہ وزنی عناصر مثلاً لوہا، چونا اور نکل پر مشتمل ہے، ماہرین طبیعیات کو یہ ایک حیرت انگیز بات معلوم ہوئی ہے، ایڈلن کا خیال ہے کہ ہالہ کے ان وزنی کیمیائی مادون مین جو روشنی کی لہرین پیدا ہوتی ہین اس کے لحاظ سے ہالہ کی حرارت بیس لاکھ ڈگری ہوگی، حالانکہ اس سے پہلے کی تحقیق تھی، کہ یہ حرارت دس ہزار ڈگری سے زیادہ نہیں، ایڈلن کو اپنی تحقیقات پر شبہہ تھا، اس لئے دو سال تک اسکو پوشیدہ رکھا، لیکن اب اس کے سارے شبہات دور ہوگئے ہین، ۳۶ء کے سورج گرہن سے اس کے نظریہ کی تصدیق مختلف رصد گاہون سے ہوئی، گذشتہ جون مین ہارورڈ کی رصد گاہ مین بھی اس کی تصدیق کی گئی، اور اب یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے، کہ آفتاب کے اندر بعض ایسے متلاطم اور مرتعش ذرات ہین، جو بالکل نہین دکھائی دیتے، انہی ذرات سے آفتاب کی گردش سے گیس نکلتے ہین، اور ان گیسون کی برقی لہرین آفتاب کے اندرونی حصہ سے نکلتی ہین، اس وجہ سے وہ جلد ٹھنڈی نہین ہوتی ہین، اور اس کی گرمی بہت دور تک باقی رہتی ہے، مگر جیسے جیسے یہ لہرین ٹھنڈی ہوتی جاتی ہین، اپنے مرکز کی طرف مائل ہوتی جاتی ہین،

(ص ع)

افکار عصریہ

سائنس نے جنگ عظیم کے بعد جو ترقیان کی ہین، یہ کتاب ان تمام ترقیون کا خلاصہ ہے کتاب ۲۶ بابون میں تمام ہوئی ہے، اور ہر باب میں سائنس کے مختلف اہم مسائل کی تحقیق کی گئی ہے ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت ؏ ۱۲ر

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

فہم قرآن از مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۲۹۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ؏ غیر مجلد ؏، پتہ ندوۃ المصنفین قرولباغ دہلی،

آج کل فہم قرآن اور اسکی تفسیر و تاویل کے بلند بانگ دعوون اور حدیث و سنت کے حجت شرعی نہ ماننے کا فتنہ اتنا عام ہوتا جاتا ہے، کہ فہم قرآن کے لئے عربی کی ابجد سے واقفیت بلکہ اردو ترجمہ کی مدد کو کافی سمجھا جاتا ہے، اور نعوذ باللہ حدیث نبوی کو دفتر بے معنی قرار دیکر اسے ناقابل اعتبار ٹھہرایا جاتا ہے، معارف میں ان مباحث پر مبسوط اور مدلل مضامین نکل چکے ہین، مولینا سعید احمد صاحب اڈیٹر البرہان دہلی نے اس موضوع پر یہ مستقل کتاب تالیف فرمائی ہے، اس مین آیت قرآنی لقد یسرنا القرآن سے پیدا شدہ غلط فہمیون کو دور کرکے اوس کا اصلی مقصد و منشا واضح کیا گیا ہے، کلام اللہ کی تفسیر کے اصول و شرائط بتائے گئے ہین، پھر کلام اللہ اور احادیث نبوی کے تعلق سے انکے حجت شرعی ہونے اور اوس کے وثوق و اعتماد کے علمی و تاریخی دلائل دیئے گئے ہین ان مباحث مین تدوین حدیث کی تاریخ، وضع حدیث کا انسداد، حفاظ صحابہ مین حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حفاظ تابعین مین امام زہری اور اصحاب صحاح مین امام بخاری و مسلم کی علمی و اخلاقی جلالت ان کی صحیحین کے درجہ اور اسناد و درایت وغیرہ کی بحثیں ہین، احادیث و سنت کی صحت، اوس کے وثوق اور اس کے حجت شرعی ہونے کے دلائل اور اس سے متعلقہ مباحث اتنے کثیر ہیں، کہ کسی مختصر کتاب مین ان کا احاطہ دشوار ہے، تاہم اس کتاب مین اس کے اکثر اہم پہلو آگئے ہین، اور فی الجملہ

ایک طالب حق کی تشفی کے لئے کافی ہین، موضوع کے اشتراک کی وجہ سے اس کتاب کے بعض مباحث اور دار المصنفین کی سیر الصحابہ اور معارف کے مضامین کے درمیان کہین کہین توارد ہوگیا ہے، اسکی ایک دلچسپ مثال عدالت صحابہ کی بحث (ص ۱۳۵) مین "بُعد التُّهَم" کا ترجمہ ہے، اس کا ترجمہ غلطی سے ان کی (صحابہ) عدالت کے بجائے "تہمتون کے بُعد" ہو گیا ہے، بعینہٖ یہی غلطی اسوۂ صحابہ کے پہلے ایڈیشن مین ہوئی تھی، عہد صحابہ مین تدوین حدیث اور احادیث کے مجموعون کی بحث تشنہ ہے، اس مین صرف دو تین صحابہ کی کتابت حدیث کا تذکرہ ہے، حالانکہ ان کی تعداد اس سے کہین زیادہ ہے، اور خطبات مدراس مین پوری تفصیل مذکور ہے، یہ چیز اس لئے تفصیل کے ساتھ دکھانے کی تھی، کہ منکرین حدیث کا سب سے بڑا اعتراض یہی ہے، کہ حدیثین عہد رسالت کے مدتون بعد مدون ہوئین، اسی طرح یہ بیان صحیح نہین ہے، کہ "روایت سے حضرت عمر بن عبد العزیز کا جمع حدیث کی طرف متوجہ ہونا، اور ابوبکر بن حزم کو اس کے لئے حکم دینا ثابت ہوتا ہے، یہ نہین معلوم ہوتا، کہ اس حکم کی تعمیل مین احادیث جمع بھی کی گئین، (ص ۹۲)" حالانکہ فتح الباری اور جامع بیان العلم ابن عبد البر مین اس کی تصریح موجود ہے، کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے نہ صرف ابوبکر بن حزم کو بلکہ صوبون کے تمام والیون کو احادیث کی تلاش اور اوس کے جمع کرنے کا حکم دیا تھا، اس حکم پر محدثین نے احادیث کے مجموعے مرتب کئے، اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس کی نقلین مختلف ملکون مین بھجوائین،

ممالک اسلامیہ کی سیاست : مؤلفہ جناب عشرت حسین صاحب صدیقی بی اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۵۳ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر

قیمت مجلد عہ، پتہ مکتبہ جامعہ نئی دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی نمبر ۳،

یورپ کے سیاسی اور تجارتی مفاد کا اسلامی دنیا سے نہایت گہرا تعلق ہے، اسی مفاد کی

بنا پر وہ مدتون سے یورپ کی حکومتون کا شکار بنے ہوئے ہین، لائق مؤلف نے اس کتاب مین مصر، ترکی، عرب، فلسطین، شام، عراق، ایران، افغانستان اور افریقہ کے اسلامی خطون کے مختصر سیاسی حالات ان کا اور یورپین حکومتون کے تعلق اور ان مین ان کی سیاست اور موجودہ صورت حال کی سرگذشت بیان کی ہے، موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے یہ حالات بہت مختصر ہین، تاہم فی الجملہ اسلامی ممالک کی موجودہ حالت اور ان کے ساتھ یورپ کی سیاست کو سمجھنے کے لئے کافی ہین،

بحر الکاہل کی سیاست : مؤلفہ جناب امین خالدی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ: جامعہ نئی دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی نمبر ۳،

ایک زمانہ تک بحر الکاہل کی سیاسی اہمیت صرف چین جاپان اور مشرق بعید کے ملکون تک محدود تھی، لیکن اب بحر الکاہل کے راستہ سے تجارت کی روزافزون ترقی، برطانیہ کی نوآبادیات اور چین مین روس، برطانیہ اور امریکہ کے اقتصادی مفاد اور تجارتی اور سیاسی مسائل کے اشتراک کی بنا پر ان حکومتون کے لئے بھی بحر الکاہل کی اہمیت روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اس کتاب مین بحر الکاہل کے ساحلی ملکون، اور اوس کے جزائر کے جغرافیہ تاریخ اور اقتصادی اور سیاسی مسائل کی روشنی مین اس اہمیت کو دکھایا گیا ہے، ہر ملک کی پیداوار، رقبہ آبادی اور تجارت کے اعداد و شمار کے نقشے بھی دیدیئے ہین، جن سے ان مسائل کے سمجھنے مین سہولت ہوتی ہے جن لوگون کو عالمگیر سیاسی مسائل سے دلچسپی ہو، یہ کتاب ان کے مطالعہ کے لائق ہے،

صدر المدرسین : مؤلفہ مولینا شہید انصاری فرنگی محلی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت: ۸؍ پتہ: مصنف فرنگی محل لکھنؤ سے ملے گی،

مولانا عنایت اللہ صاحب مرحوم فرنگی محلی خاندانِ فرنگی محل کے علم و عمل کی آخری یادگار
تھے، افسوس کہ گذشتہ جولائی میں یہ یادگار بھی مٹ گئی، مرحوم علم و عمل، تعلیم و تدریس، تالیف و
تصنیف کے اعتبار سے اپنے اسلافِ کرام کے سچے جانشین تھے، ان کی ساری عمر تعلیم و تدریس
کے شغل میں گذری، ان کے لائق بھتیجے مولانا صبغۃ اللہ صاحب شہید انصاری نے صدر المدرسین کے
نام سے مرحوم کے حالات لکھے ہیں، اس میں انکی سیرت و سوانح کے ساتھ انکی علمی تعلیمی سیاسی اور تصنیفی
خدمات پر بھی مختصر روشنی ڈالی ہے،

ہمارے مزدور: مؤلفہ جناب محمد عبد القادر صاحب لکچرار معاشیات جامعۂ
عثمانیہ، تقطیع اوسط ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مرقوم
نہیں، پتہ: انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی،

صنعت و حرفت کے فروغ کے ساتھ صنعتی کارخانوں اور مزدوروں کا مسئلہ روز بروز
اہم اور عالمگیر ہوتا جاتا ہے، لائق مؤلف نے اس رسالہ میں مزدوروں کی حالت ان کی زندگی انکے حقوق
و فرائض، اصلاح و تنظیم، مراعات، سہولتوں اور ان کے اور کارخانہ داروں کے درمیان اختلاف کی
صورت میں مفاہمت کے طریقوں اور اس مسئلہ کے متعلق اور دوسرے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے،

تازیانے، مرتبہ جناب الطاف مشہدی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۰ صفحے، کاغذ،
کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ :- لاجپت رائے
اینڈ سنز، تاجرانِ کتب لاہور،

آج کل ترقی پسند ادب یعنی ان افسانوں کی جانب رجحان زیادہ بڑھتا جاتا ہے جن میں ہماری زندگی
کی زبون حالی اور ہمارے اخلاقی اور معاشرتی نقائص کی مصوری کی گئی ہو، جناب الطاف مشہدی
نے تازیانے کے نام سے مشہور افسانہ نگاروں کے اس قسم کے چودہ افسانوں کا یہ مجموعہ مرتب کیا ہے

افسانوں کا انتخاب اچھا ہے، سب افسانے کسی نہ کسی اصلاحی پہلو سے تعلق رکھتے ہیں،

کلیاتِ میر، مرتبہ جناب مولوی عبد الباری صاحب آسی تقطیع بڑی ضخامت ۷۰۰
صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مرقوم نہیں، پتہ مطبع نولکشور لکھنؤ،

کلیاتِ میر کے کئی اڈیشن نکل چکے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی اغلاط سے خالی نہیں ہے،
بعض تو بالکل مسخ ہیں، ان کا کاغذ بھی نہایت خراب ہے، میر کے کلام کی اہمیت کے لحاظ
سے ضرورت تھی کہ صحت اور حسن طباعت کے اہتمام کے ساتھ ایک نیا اڈیشن شائع کیا جاتا، اس
فرض کو جناب مولوی عبد الباری صاحب آسی نے ادا کیا، اور متعدد قلمی اور مطبوعہ نسخوں سے تصحیح و
مقابلہ کے بعد یہ نسخہ مرتب کیا ہے، کلیات کے شروع میں ان کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ
ہے، اس میں میر کے حالات اور ان کے کلام پر تبصرہ ہے، حالات خاصی تفصیل سے ہیں، میر کی
زندگی کے مختلف فیہ واقعات میں لائق مؤلف نے عموماً اپنی تحقیق کے بجائے دوسرے ارباب قلم
کے بیانات نقل کرکے اون کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑ دیا ہے، لیکن کہیں کہیں خود بھی کوئی نئی بات کہی ہے،
میر کے زمانہ کے بہت سے الفاظ و مصطلحات اب متروک و فراموش ہو چکے ہیں، آخر میں ان کا ایک
فرہنگ دیدیا گیا ہے، امید ہے کہ اصحاب ذوق میں یہ نیا اڈیشن مقبول ہوگا،

گلبانگ حیات، مصنفہ خواجہ محمد مسیح پال ابن حزین تقطیع بڑی ضخامت ۲۱۲ صفحے
کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عار، پتہ مصنف سیالکوٹ سے ملیگی،

سیالکوٹ کی سرزمین نے جسے اقبال کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے، انہی کا ہمنوا ایک اور
شاعر پیدا کیا، جو دنیائے شاعری میں ابن حزین کے نام سے مشہور ہے، یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ دونوں
نے ایک ہی استاد شمس العلماء میر حسن سے فارسی میں فیض حاصل کیا، اس سے زیادہ مشابہت اور یکرنگی
دونوں کے فکر و خیال، تصورِ زندگی اور موضوعِ شاعری میں ہے، بلکہ اس اعتبار سے حزین کی شاعری

کو اقبال کی شاعری کا عکس کہنا چاہئے، ان کا مرکزی تصور بھی اثبات خودی ایمان و ایقان، جوشِ عمل دولۂ آرزو اور زندگی کی تڑپ ہے، اور گلبانگ حیات حزین کی زبان سے نوید زندگی ہے، اس مجموعہ میں گو مختلف رنگ کے نمونے ہیں، لیکن مرکزی خیال تقریباً سب میں ایک ہے، حتی کہ غزلوں میں بھی رنگین نوائی کے بجائے رجز زندگی ہے، قطعات خاص طور سے بہت حکیمانہ اور روح حیات کی تفسیریں ہیں،

الہاماتِ سلیمانی، مرتبہ جناب منظور الحق صاحب کلیم تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۵۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت اوسط، قیمت معلوم نہیں، پتہ:۔ منظور الحسن صاحب کلیم پرشین ٹیچر گورنمنٹ ہائی اسکول شاہجہان پور،

مولانا شاہ سلیمان صاحب مرحوم پھلواردی اپنے گوناگون کمالات کے ساتھ شعر و سخن کا بھی ذوق رکھتے تھے، اور تفنن کے طور پر کبھی کبھی فکرِ سخن بھی فرمالیا کرتے تھے، عربی فارسی اور اردو تینون زبانون مین ان کے کلام کے نمونے موجود ہین، ان کے خلیفۂ مجاز منظور الحق صاحب کلیم نے ان کو الہاماتِ سلیمانی کے نام سے شائع کر دیا ہے، اس مین منظوم شجرے قصیدے، نعتین، منقبت، منظوم مکتوبات، غزلین، تاریخین وغیرہ مختلف اصناف کے نمونے موجود ہین، شاہ صاحب کے متوسلین کے لئے یہ مجموعہ تبرک کی حیثیت رکھتا ہے،

رباعیاتِ حیدر، از جناب حیدر دہلوی، تقطیع جیبی، ضخامت ۱۲۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ۱۲ر، پتہ حالی پبلشنگ ہاؤس اردو بازار جامع مسجد، دہلی،

جناب حیدر دہلوی دہلی کے خوشگو شعرا میں ہین، رباعیات حیدر ان کی رباعیون کا مجموعہ ہے، اس مین شراب شباب، حقائق تلخ، حقائق و معارف، برکاتِ وطن، اردو، پیری، انسان، شاعر، شہداء، اور آثارِ وطن سے متعلق سو سے اوپر رباعیان ہین، یہ رباعیان تخیل اور زبان دونون کے اعتبار سے پرلطف ہین، "م"

جلد ۴۸ ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۱ء عدد ۶

مضامین